مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی رسالہ

انصار الدین

ستمبر/اکتوبر 2023ء | تبوک/اخاء 1402 ہجری شمسی | ربیع الاول/ربیع الثانی 1445 ہجری | جلد 20 نمبر 5

جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ

خدا کا پہلوان نبیوں کے لباس میں

[تذکرہ صفحہ 70]

مجلس انصار اللہ برطانیہ
فلاحی منصوبے برائے سال 2023ء



آنکھوں کے آپریشنز
مسرور آئی انسٹیٹیوٹ برکینا فاسو

ایک آنکھ کے آپریشن کے اخراجات: £50



ٹیوب ویل

پانی کا نیا کنواں: £2,000

مرمت برائے پانی کا کنواں: £750

ایک کنواں / پمپ روزانہ 1000 سے زائد لوگوں کو تازہ پانی مہیا کرتا ہے



مسرور جنرل ہسپتال
برکینا فاسو

پہلے مرحلے میں زچہ وبچہ یونٹ کی تعمیر ہو گی۔

عطیہ برائے تعمیر بلاک: مبلغ 250،000 پاونڈز

عطیہ برائے تعمیر وارڈ: مبلغ 24،000 پاونڈز

عطیہ برائے کمرہ: مبلغ 10،000 پاونڈز

مبلغ 5,000 پاونڈز یا اس سے زائد عطیات دینے والوں کے نام بغرضِ دعا ہسپتال کی راہداری میں لگائے جائیں گے۔

اس ہسپتال کی تعمیر مختلف مراحل میں ہو گی۔

اس کارِ خیر میں آپ دنیا کے کسی بھی ملک سے حصہ لے سکتے ہیں

PLEASE KINDLY DONATE GENEROUSLY

USE THIS LINK: https://donation.charitywalkforpeace.org/
OR Scan the QR code. You can call us and we will assist you 020 8874 6630.

MAJLIS ANSARULLAH UK 33 GRESSENHALL ROAD LONDON SW18 5QH
T: 020 8874 6630 E: INFO@CHARITYWALKFORPEACE.ORG W: CHARITYWALKFORPEACE.ORG

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی رسالہ

انصار الدین

ستمبر/اکتوبر 2023ء | تبوک/اخاء 1402 ہجری شمسی | ربیع الاول/ربیع الثانی 1445 ہجری | جلد 20 نمبر 5

مجلس انصار اللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

درس القرآن الکریم	2
حدیث النبی ﷺ	3
ارشادات سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام	4
فرمودات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	5
اداریہ: ایمان افروز تاریخ اور ہمارا فرض	6
جنگ مقدّس میں عیسائیوں کی ایک سازش اور اس کا جواب (از سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ)	8
حضرت مولوی غلام رسول راجیکی صاحبؓ کی قبولیتِ دعا (قسط دوم) (ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز)	9
افغان بادشاہ امان اللہ خان کا آخری سفر (عبدالرحمٰن شاکر)	16
محترم ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب (قسط دوم) (بشارت الرحمٰن زیروی)	17
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الہامی دعا کا اعجاز (انجینئر محمود مجیب اصغر)	21
دیارِ حبیب ﷺ میں (بشیر احمد رفیق خان)	23

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ
کیا آپ حضرت امیر المومنین
خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات
اور احمدیوں کی حفاظت کے لیے روزانہ دو نفل
ادا کر رہے ہیں اور
ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

"Ansaruddin" 33 Gressenhall Road, London, SW18 5QH, United Kingdom e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk



رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِاَخِیۡ وَاَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِکَ ۖ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ

(الاعراف:۱۵۲)

اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور میرے بھائی کو بھی

اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر اور تُو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ ۚ وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡهِنَّ وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ

(یوسف:۳۴)

اے میرے ربّ! قید خانہ مجھے زیادہ پیارا ہے اس سے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں۔

اور اگر تُو مجھ سے اُن کی تدبیر (کامُنہ) نہ پھیر دے تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ

(ہود:۴۸)

ترجمہ: اے میرے ربّ! یقیناً میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں

کہ تجھ سے وہ بات پوچھوں جس (کے مخفی رکھنے کی وجہ) کا مجھے کوئی علم نہیں۔

اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ

(آل عمران:39)

اے میرے ربّ! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ ذریّت عطا کر۔ یقیناً تُو بہت دعا سننے والا ہے۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: جہاں بھی تم ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نیکی اس بدی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔

(ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی معاشرۃ الناس)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سے خلق کے لحاظ سے بہترین وہ ہے جو اپنی عورتوں سے بہترین اور مثالی سلوک کرتا ہے۔

(ترمذی کتاب النکاح باب ماجاء حق المراۃ علی زوجھا 1162)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی خیانت یہ شمار ہوگی کہ ایک شخص اپنی بیوی سے تعلقات قائم کرے۔ پھر وہ بیوی کے پوشیدہ راز لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔

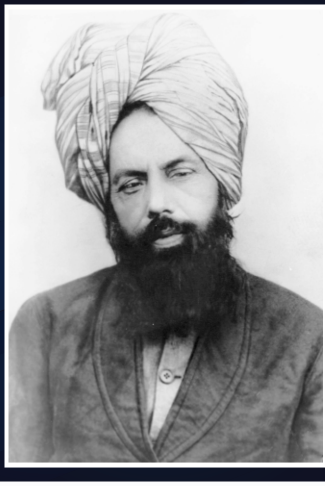
(سنن ابی داؤد کتاب الأدب باب فی نقل الحدیث)

حضرت ابوایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا گُر بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز باجماعت پڑھو۔ زکوۃ دو اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کرو۔ (مسلم کتاب الایمان باب بیان الایمان الذی یدخلہ بہ الجنۃ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے اندر حیا نہیں اس کا کوئی دین نہیں اور جس کو اس دنیا میں حیا میسر نہیں آئی وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (کنز العمال جلد 3 صفحہ 125)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں کہ ان جیسا میں نے کسی گروہ کو نہیں دیکھا۔ ایک وہ جن کے پاس بیل کی دُموں کی طرح کوڑے ہوتے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے پھرتے ہیں اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے تو پہنتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہیں (ناز سے لچکیلی چال چلتی ہیں)، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جتن کرتی پھرتی ہیں اور خود بھی مائل ہوتی ہیں۔ بختی اونٹوں کی لچکدار کوہانوں کی طرح ان کے سر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی جنت میں داخل نہ ہوگی اور اس کی خوشبو تک نہ پائے گی حالانکہ اس کی خوشبو دُور کے فاصلے سے بھی آسکتی ہے۔ (مسلم کتاب اللباس باب النساء الکاسیات العاریات)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک سے جس کا ساتھ بہت بُرا ہے اور میں پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کیونکہ یہ اندرونے کو خراب کر دیتی ہے۔ (نسائی کتاب الاستعاذۃ باب الاستعاذۃ من الخیانۃ)



امام الکلام ۔ کلام الامام

علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت الی اللہ کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے کے حوالے سے احباب جماعت کے لیے 1892ء میں ایک ضروری اشتہار شائع فرمایا جو آپؑ کی تصنیفِ لطیف نشانِ آسمانی میں شائع ہوا۔ حضورؑ نے فرمایا: ’’اس عاجز کا ارادہ ہے کہ اشاعتِ دینِ اسلام کے لیے ایسا احسن انتظام کیا جائے کہ ممالکِ ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر ہوں اور بندگانِ خدا کو دعوتِ حق کریں۔ تاحجتِ اسلام روئے زمین پر پوری ہو۔ لیکن اس ضعف اور قلتِ جماعت کی حالت میں ابھی یہ ارادہ کامل طور پر انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔...دنیا چندروزہ مسافرخانہ ہے۔ آخرت کے لیے نیک کاموں کے ساتھ طیّاری کرنی چاہیے۔ مبارک وہ شخص جو ذخیرۂ آخرت کے اکٹھا کرنے کے لیے دن رات لگا ہوا ہے۔‘‘ (نشان آسمانی روحانی خزائن جلد نمبر 4، صفحہ 410)

1897ء میں بچوں کو اسلام کا خادم بنانے کی مبارک غرض سے قادیان میں ایک مثالی درسگاہ کے قیام کی بذریعہ اشتہار تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ لوگ اس سچے معبود پر ایمان لاویں جس پر ایمان لانے سے نور ملتا اور نجات حاصل ہوتی ہے، لیکن اس مقصد تک پہنچانے کے لیے علاوہ ان طریقوں کے جو استعمال کیے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہوکر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازم ٹھہرائی جائیں جن کے پڑھنے سے ان کو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کیے ہیں وہ حملے کیسے خیانت اور جھوٹ اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ ...میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں اور جس طریق سے میں اس خدمت کو انجام دوں گا میرے نزدیک دوسروں سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس طوفانِ ضلالت میں اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لیے اس ارادے میں میری مدد کرے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 159)

چنانچہ 1898ء میں مذکورہ بالا مدرسہ تعلیم الاسلام کے افتتاح کے موقع پر آپؑ نے فرمایا:

’’ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔ مروّجہ تعلیم کو اس لیے ساتھ رکھا ہے کہ یہ علوم خادمِ دین ہوں۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ ایف اے یا بی اے پاس کرکے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیشِ نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمتِ دین کے لیے زندگی بسر کریں اور اسی لیے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے لیے کام آسکے۔‘‘ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 572)



فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس انصار اللہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع 2022ء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر ہمارا نعرہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ کا ہے تو اپنے نفس کو پہلے پاک صاف کرنا ہوگا تا کہ پھر اس مسیح موعود کے مددگار بن کر دنیا کو برائیوں اور شرک سے پاک کریں اور خدائے واحد کے نور سے دلوں کو منور کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا ہے لیکن اگر ہمارے اپنے ہی دل دنیا کی گندگیوں اور غلاظتوں اور لالچوں میں پڑے ہوئے ہیں تو پھر ہم دنیا کی کس طرح اصلاح کر سکتے ہیں۔

پس اب ماموِر زمانہ کے ساتھ جڑ کر انصار اللہ کا اصل کام یہ ہے کہ دنیا کو خدائے واحد کے آگے جھکانا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لانا۔ پس اس کے لیے خود ہمیں اپنے اندر جھانکنا ہوگا کہ کس قسم کے انصار اللہ ہم ہیں۔ اپنے اندرونی جائزے لینے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آئے ہیں اسی لیے کہ تخم ریزی کی جاوے جس سے وہ پھلدار درخت ہو جاوے۔'' پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرونہ کیسا ہے اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے۔ فرمایا ''... اگر ہماری جماعت بھی خدانخواستہ ایسی ہے کہ اس کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہو گا۔'' اس عمر کو پہنچ کے خاتمہ بالخیر کی بھی فکر ہوتی ہے۔ فرمایا: اگر زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے تو خاتمہ بالخیر نہ ہوگا۔ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ ایک جماعت جو دل سے خالی ہے اور زبانی دعوے کرتی ہے۔ وہ غنی ہے وہ پروا نہیں کرتا۔'' (ملفوظات جلد 1 صفحہ 11)

پس ہم حقیقی انصار اس وقت بن سکتے ہیں جب عمدہ بیج بنیں اور عمدہ بیج بننے کے لیے اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر چلنا اور زمانے کے امام اور مامور کی کامل پیروی اور اطاعت کرنا ضروری ہے اور جب یہ ہوگا تو پھر ہم اس بیج کے وہ پھل دار درخت ہوں گے جو دنیا کو نیکیوں کے پھل کھلانے والے ہوں گے۔ ہمارے قول و فعل کا ایک ہونا جہاں ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والا ہوگا وہاں ہماری نسل کی اصلاح کا بھی ذریعہ ہوگا اور ہمیں یہ تسلی ہوگی کہ ہم اپنی نسلوں میں بھی تقویٰ اور نیکی کی جڑ لگا کر جا رہے ہیں۔ وہ پیوند لگا کر جا رہے ہیں جس سے اگلی نسل بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ جُڑ کر وہ پھل دار درخت بنیں گے جن پر نیکیوں کے پھل لگتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کو بھی خدائے واحد کی طرف لانے والے بنیں گے تا کہ ماموِر زمانہ کے حقیقی انصار بن سکیں۔

پس اس مضمون کو جتنا کھولتے جائیں اتنا ہی ہمیں احساس ہوتا جائے گا کہ انصار اللہ کی کیا اہمیت ہے اور ہم نے اپنے عہد کو کس طرح نبھانا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو اپنی تقاریر اور مجالس میں اس شدت سے بیان فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ اپنے ماننے والوں کے کیا معیار دیکھنا چاہتے تھے اور یہی معیار ہیں جو جماعتی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔''

(اختتامی خطاب برموقع سالانہ اجتماع مجلس انصار اللہ یوکے 2022ء)

اداریہ

ایمان افروز تاریخ اور ہمارا فرض

''تاریخ احمدیت'' نہ صرف ایک زندہ تاریخ ہے بلکہ زندگی بخش بھی ہے۔ اس میں محفوظ بے شمار ایمان افروز داستانیں پڑھنے والوں کے دلوں کو ہمیشہ گرماتی رہیں گی اور یاد دلائیں گی کہ ہمارے بزرگوں نے حضرت اقدس مہدیٔ آخرالزماں علیہ السلام کی صداقت کا اقرار کرنے کے بعد آپؑ کی آواز پر لبّیک کہا اور آپؑ کے پیغام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے کی خاطر اپنی جان، مال، وقت اور عزت کی پروا نہیں کی۔ حتّٰی کہ قید و بند کی صعوبتیں اور سماجی و قانونی پابندیاں بھی اُن کے جذبے پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ دعوت الی اللہ کے میدان میں دیوانہ وار کُود جانے والے یہ پُرعزم داعیان الی اللہ تبلیغ کی خاطر دنیا کے ہر خطّے اور زمین کے ہر کنارے تک جا پہنچے۔

تاریخ احمدیت کے بے شمار واقعات قاری کے ذہن میں ایک فلم کی طرح چلتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحبؓ اور آپؓ کے شاگردوں نے سالہا سال تک کابل کی سنگلاخ زمین کو اپنے خون سے سیراب کیا لیکن مہدی آخرالزمان علیہ السلام کی صداقت کے اقرار سے قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ عزم و ہمّت اور شجاعت کی یہ تاریخ نہ صرف برصغیر کے ہر علاقے میں دہرائی جاتی رہی بلکہ افریقہ، انڈونیشیا اور بعض عرب ممالک میں بھی دردناک مظالم کا سامنا کرنے اور پابند سلاسل کردیے جانے کے باوجود بہت سے مظلوم احمدی آج بھی اپنے ایمان پر نہ صرف ثابت قدم ہیں بلکہ ہر قسم کے حالات میں دعوت الی اللہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس لذّت سے آشنا ہوجانے کے بعد اہل ایمان کے لیے اس سے محرومی کا تصوّر بھی محال ہوتا ہے۔

چند دہائیاں پہلے تک احمدی مبلغین مہینوں کے بحری سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے جب دُوردراز کے ساحلوں پر اُترتے تو ہر جگہ مشکلات کا ایک پہاڑ سامنے نظر آتا جو خدا تعالیٰ کے فضل سے لمبے عرصے کے صبر، دعاؤں اور پُرحکمت اندازِ تبلیغ کے نتیجے میں ایک پاکیزہ جماعت کے وجود میں ڈھلتا چلا جاتا۔ چنانچہ امریکہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایک عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن اس دوران بھی دعوت الی اللہ جاری رکھی۔ حضرت چودھری ظہور حسین صاحب نے روس کے تاریک قیدخانوں میں کئی ماہ تک محبوس رہ کر وہاں کئی روحوں کو اسلام احمدیت کی روشنی سے منور کیا۔ حضرت کرم الٰہی ظفر صاحب نے سپین میں حکّامِ وقت کی طرف سے لگائی جانے والی ہر تکلیف دہ پابندی کا سامنا کیا اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی نہایت حکمت کے ساتھ اسلام احمدیت کا پرچم بلند کیے رکھا۔ اُسی دَور میں یوگوسلاویہ اور البانیہ کے مقامی احمدیوں کو بھی مشقِ ستم بنایا گیا جس کے نتیجے میں یورپ کی سرزمین پر معصوم احمدیوں نے جام شہادت بھی نوش کیا۔ محترم ڈاکٹر مظفر احمد صاحب دعوت الی اللہ کرتے ہوئے امریکہ میں اور محترم قریشی محمد اسلم صاحب ٹرینیڈاڈ میں شہادت کے عظیم مقام پر فائز ہوئے۔ بلکہ راہِ وفا میں قربانیاں پیش کرنے والے ایسے پُرعزم داعیان الی اللہ بھی تھے جو دُوردراز علاقوں تک پہنچے اور پھر واپس اپنے وطن نہ آسکے بلکہ دیارِ غیر میں ہی تبلیغی جہاد کے دوران جام شہادت نوش کرگئے۔ اُن کے اخلاص و وفا کی داستانیں آئندہ نسلوں کے لیے بے مثال نمونہ ہیں۔ ایسے داعیان الی اللہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے جس میں حضرت الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب (جو سیرالیون میں دفن ہیں)، حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانویؓ (جو ایران میں آسودۂ خاک ہیں)، حضرت مولوی عبیداللہ صاحب اور حضرت حافظ جمال احمد صاحب (دونوں کی وفات ماریشس میں ہوئی)، حضرت الحاج مولوی محمد دین صاحب

(جو البانیہ جاتے ہوئے سفر کے دوران ایک جنگی حملے کے نتیجے میں شہید ہوئے)، محترم محمد رفیق صاحب (جو کاشغر میں مدفون ہوئے)، حضرت مولانا غلام حسین ایاز صاحب مبلغ سنگاپور (جن کی وفات بورنیو میں ہوئی) شامل ہیں۔

یہ محض چند نام ہیں لیکن یہ فہرست واقعۃً بڑی طویل اور دردناک ہے۔ یہ سب داعیان الی اللہ جہاں ہماری دعاؤں میں شامل ہونے چاہئیں وہاں ان کی ایمان افروز داستانیں ہمیں یہ احساس بھی دلاتی ہیں کہ ہم پر بھی کچھ فرائض عاید ہوتے ہیں۔ آج اگر ہر قسم کی آزادئ اظہار مہیا ہونے اور دعوت الی اللہ کے جدید ذرائع میسر ہونے کے باوجود بھی ہم دعوت الی اللہ کے فریضے کو کماحقّہٗ ادا نہیں کر پا رہے تو مقامِ فکر ہے۔ خاص طور پر ایسے میں جب خلافت حقّہ کی براہ راست راہنمائی ہمیں حاصل ہے اور یہ ارشاد بھی مشعل راہ ہے کہ ہم انصار نہ صرف اپنے گھروں میں اور اپنے خاندانوں میں ہی سربراہ کے طور پر نمونہ ہونے چاہئیں بلکہ اپنے معاشرے میں خصوصاً دیگر احمدی نوجوانوں اور بچوں کے لیے بھی ہمیں بہترین نمونہ پیش کرنا چاہیے۔

سیّدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں مجلس انصاراللہ کے تحت مقامی، علاقائی اور قومی سطح پر دعوت الی اللہ کے مختلف پروگرام سالہا سال سے نہایت کامیابی سے جاری ہیں۔ اگرچہ بہت سے انصار باقاعدگی سے نہایت ذوق وشوق سے ان سب میں یا بعض منتخب پروگراموں میں شامل ہو کر اپنی خدمات پیش کرتے ہیں لیکن چند ایک کی طرف سے اُن کے اپنے نفس کا ایک بہانہ وقت یا علم کی کمی کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درج ذیل ارشاد میں سے چند فقرات ہی اُن کی سوچ کو وہ زاویہ عطا کردیں جس کے نتیجے میں چشم بصیرت حاصل ہوجائے اور دنیا کے حالات کی سنگینی کا احساس کرکے ہم بھی اپنے دل میں اسلام کے لیے درد کی وہ لذّت محسوس کرسکیں جو سیّدنا حضرت اقدس علیہ السلام کے قلب سلیم میں موجزن تھی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’یہ سچی بات ہے کہ اگر انسان توبۃ النصوح کرکے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی وقف کردے اور لوگوں کو نفع پہنچاوے تو عمر بڑھتی ہے۔ اعلاء کلمۂ اسلام کرتا رہے اور اس بات کی آرزو رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پھیلے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان مولوی ہو یا بہت بڑے علم کی ضرورت ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ یہ ایک اصل ہے جو انسان کو نافع الناس بناتی ہے اور نافع الناس ہونا درازی عمر کا اصل گُر ہے۔ فرمایا: تیس سال کے قریب گزرے کہ مَیں ایک بار سخت بیمار ہوا۔ اور اس وقت مجھے الہام ہوا وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد:18)۔ اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ سے خلق خدا کو کیا کیا فوائد پہنچنے والے ہیں لیکن اب ظاہر ہوا کہ ان فوائد اور منافع سے کیا مراد تھی۔ غرض جو کوئی اپنی زندگی بڑھانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ نیک کاموں کی تبلیغ کرے اور مخلوق کو فائدہ پہنچاوے۔۔۔ انسان اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی وقف نہ کرے اور اس کی مخلوق کے لیے نفع رساں نہ ہو تو یہ ایک بے کار اور نکمّی ہستی ہوجاتی ہے۔ بھیڑ بکری بھی پھر اس سے اچھی ہے جو انسان کے کام تو آتی ہے لیکن یہ جب اشرف المخلوقات ہو کر نوع انسان کے کام نہیں آتا تو پھر بدترین مخلوق ہوجاتا ہے۔۔۔ پس یہ سچی بات ہے کہ اگر انسان میں یہ نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرے اور مخلوق کو نفع پہنچاوے تو وہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے اور بدترین مخلوق ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 395)

خدا تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اشرف المخلوقات بنتے ہوئے دیگر انسانوں کی راہنمائی کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والے ہوں اور اس کے نتیجے میں اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرکے دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے بن جائیں۔ آمین

(محمود احمد ملک)

''جنگ مقدس'' میں عیسائیوں کی ایک سازش اور اس کا جواب

سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

آتھم کا جن دنوں مباحثہ تھا عیسائی ایک دن شرارت کر کے مسلمانوں اور عیسائیوں کو جوش دلانے اور ہنسی مذاق کی ایک صورت پیدا کرنے کے لیے کچھ اندھے، لولے اور لنگڑے جمع کر کے لے آئے اور انہیں ایک گوشہ میں چھپا کر بٹھا دیا اور تجویز یہ کی کہ ہم مرزا صاحب سے کہیں گے کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں اور حضرت مسیحؑ اندھوں کو بینا کیا کرتے تھے لنگڑوں اور لولوں پر ہاتھ پھیرتے اور وہ اچھے ہو جاتے تھے۔ اب ہم نے آپ کو تکلیف سے بچا لیا ہے اور یہ کچھ لولے، لنگڑے اور اندھے جمع کر کے لے آئے ہیں۔ آپ بھی ان پر ہاتھ پھیریں اور انہیں اچھا کر کے دکھائیں۔ اگر آپ کے معجزہ سے یہ اچھے ہو جائیں گے تو ہم آپ کو اپنے دعویٰ میں سچا مان لیں گے۔

مَیں تو اس وقت بچہ تھا۔ شاید پانچ یا چھ سال میری عمر ہو گی مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے اور بعض دوسروں سے بھی، جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے، میں نے تمام باتیں سنی ہیں۔ آپ فرماتے جب ہم نے یہ بات سنی تو ہم سخت گھبرائے اور ہم نے کہا بس اب بڑی ہنسی ہو گی۔ جواب تو خیر دیا ہی جائے گا، مگر عوام الناس میں اس کی وجہ سے بڑا جوش پیدا ہو جائے گا۔ لیکن جس وقت انہوں نے اس امر کو پیش کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا جواب لکھوانا شروع کیا تو دیکھنے والے، جو اس وقت موجود تھے، سناتے ہیں کہ عیسائیوں کے لیے سخت مشکل پیش آ گئی اور انہوں نے چوری چھپے ان اندھے لوگوں اور لنگڑوں کو ایک ایک کر کے غائب کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک بھی ان میں سے باقی نہ رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جواب میں لکھوایا کہ یہ دعویٰ کہ حضرت مسیحؑ اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے تھے، لولوں اور لنگڑوں پر ہاتھ پھیرتے اور وہ اچھے ہو جاتے تھے ان معنوں میں کہ وہ ظاہری لوگوں اندھوں کو بینا کیا کرتے تھے یا ظاہری لولوں اور لنگڑوں کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ عیسائی دنیا کا ہے اور حضرت مسیحؑ انجیل میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا تو وہ تمام معجزے دکھا سکے گا جو میں دکھاتا ہوں۔ پس آپ نے فرمایا تم لوگ جو اس وقت مسیحؑ کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے ہو۔ تم میں کم از کم ایک رائی کے دانہ کے برابر تو ضرور ایمان ہونا چاہیے ورنہ تم نمائندے کیسے ہو سکتے ہو بلکہ حق یہ ہے کہ تم میں ایک رائی کے دانہ سے بہت زیادہ ایمان ہو گا کیونکہ تم معمولی عیسائی نہیں بلکہ عیسائیوں کے پادری ہو اور اگر تم میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں تو تم مسیحؑ کے نمائندے نہیں ہو سکتے۔ اس صورت میں تو تم میں کم از کم ایک رائی کے دانہ کے برابر ایمان موجود ہے۔ تو ہم آپ کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ آپ لوگوں نے ہمیں اس تکلیف سے بچا لیا کہ ہم خود ان اندھوں، لولوں اور لنگڑوں کو اکٹھا کر کے لاتے اور آپ سے کہتے کہ انہیں اچھا کر دکھائیں۔ اب یہ آپ کی کوشش سے خود ہی حاضر ہیں۔ آپ ان پر ہاتھ پھیریں یا پھونک ماریں اور انہیں اچھا کر کے دکھا دیں۔ دنیا کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ واقعہ میں آپ مسیحؑ کے سچے پیرو ہیں اور انجیل میں ایمان اور صداقت کا جو معیار بتایا گیا تھا اس پر آپ پورے اترتے ہیں۔

کہتے ہیں جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جواب لکھوانا شروع کیا تو عیسائیوں نے ان اندھوں، لولوں اور لنگڑوں کو کھسکانا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس پرچہ کے سناتے وقت وہ سب اندھے، لولے اور لنگڑے غائب ہو گئے۔ حالانکہ یہ صاف بات ہے اور انجیل میں بھی موجود ہے کہ حضرت مسیحؑ سے یہود ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اگر واقع میں وہ اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے تھے، لولوں اور لنگڑوں پر ہاتھ پھیرتے اور وہ اچھے ہو جاتے تھے تو دشمنوں کے یہ کہنے کا کیا مطلب تھا کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مطالبہ حضرت مسیحؑ سے انہوں نے آخری زمانہ میں کیا ہے۔ اگر واقعہ میں وہ ایسے ہی معجزے دکھایا کرتے تھے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ تم مجھ سے معجزات کا بار بار کیوں مطالبہ کرتے ہو۔ میں نے اتنے اندھوں کو آنکھیں دیں، اتنے لنگڑوں کو تندرست کیا، اتنے لوگوں کو اچھا کیا۔ اس سے بڑھ کر تمہیں اور کیا معجزہ چاہیے مگر وہ یہ جواب نہیں دیتے بلکہ جواب یہ دیتے ہیں کہ اس زمانہ کے بُرے اور حرام کار لوگ مجھ سے نشان طلب کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ انہیں یونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔ یعنی اب تمہارے لیے یہی معجزہ ہو گا کہ تم میرے قتل کی تدبیریں کرو گے۔ مجھے صلیب پر لٹکا کر مجھے ملعون ثابت کرنا چاہو گے مگر میرا خدا مجھے صلیب سے بچا لے گا اور جس طرح یونس مچھلی کے پیٹ میں سے زندہ نکلا اسی طرح میں بھی صلیب پر سے زندہ اتروں گا اور یہی تمہارے لیے معجزہ ہو گا۔ اس کے سوا اور کوئی نشان تمہیں نہیں دکھایا جائے گا۔

اگر واقع میں وہ اندھوں کو ظاہری آنکھیں دے دیا کرتے تھے۔ کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے، لولوں اور لنگڑوں پر ہاتھ پھیرتے اور وہ اچھے ہو جاتے تھے تو وہ ہزاروں آدمیوں کو اپنے معجزات کے ثبوت میں پیش کر سکتے تھے اور کہہ سکتے تھے کہ اتنے ہزار اندھوں کو میں نے بینا بنایا، اتنے ہزار لولوں کو میں نے تندرست کیا، اتنے ہزار لنگڑوں کو میں نے اچھا کر کے کام کے قابل بنایا۔

(الفضل 31 اگست 1938ء جلد 26 نمبر 200)

(دوسری اور آخری قسط)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضؓ کی قبولیتِ دعا

(ملخّص از ’’حیات قدسی‘‘۔ مرتبہ :ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز)

دستِ غیب

ایک موقع پر چودھری اللہ داد صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ جو دست غیب سے متعلق مشہور ہے کہ بعض وظائف یا بزرگوں کی دعا سے انسان کی مالی امداد ہوجاتی ہے کیا یہ صحیح بات ہے؟ مَیں نے کہا کہ ہاں بعض خاص گھڑیوں میں جب انسان پر ایک خاص روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس وقت اس کی تحریری یا تقریری دعا باذن اللہ یقیناً حاجت روائی کا موجب ہوجاتی ہے۔ میری یہ بات سن کر چوہدری اللہ داد کہنے لگے تو پھر آپ مجھے کوئی ایسی دعا یا عمل لکھ دیں جس سے میری مالی مشکلات دُور ہوجائیں۔ میں نے کہا کہ اچھا اگر کسی دن خاص وقت اور گھڑی میسر آ گئی تو ان شاء اللہ میں آپ کو کوئی دعا لکھ دوں گا۔

چنانچہ ایک دن جب افضال ایزدی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے مجھے روحانی قوت کا احساس اور قوت مؤثرہ کی کیفیت کا جذبہ محسوس ہوا تو میں نے حسب وعدہ چودھری اللہ داد صاحب کو ایک دعا لکھ دی جس کے الفاظ غالباً اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ تھے اور تلقین کی کہ وہ اس دعا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ اس وقت انہوں نے اس دعا کو اپنی پگڑی کے ایک گوشہ میں باندھ کر محفوظ کرلیا۔

خدا کی حکمت ہے کہ میرے مولا کریم نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اس ناچیز کی دعا کو ایسا قبول فرمایا کہ ایک سال تک چودھری اللہ داد غیبی امداد اور مالی فتوحات کے کرشمے اور عجائبات ملاحظہ کرتے رہے۔ اس کے بعد سے سوء اتفاق سے یہ دعا چوہدری اللہ داد صاحب سے ضائع ہوگئی اور وہ دست غیب کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

دستِ شفا

میں ایک دفعہ تبلیغ کی غرض سے موضع رجوعہ اور رہیلاں تحصیل پھالیہ کی طرف گیا ہوا تھا کہ میرے ایک دوست چودھری کرم داد ولد چوہدری راجہ خاں وڑائچ ساکن خوجیانوالی بعارضہ بخار بیمار ہوگئے اور بخار کی حالت میں انہیں سر درد کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ آپ موصوف نے اس شدت کی وجہ سے اپنا سر دیواروں میں ٹکرانا شروع کر دیا۔ ان کے گھر والوں نے ان کی جب یہ ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو انہوں نے اس علاقہ کے مشہور طبیب حکیم غلام حسین کو بطور معالج کے منگایا اور ساتھ ہی قرآن مجید کے بعض حفاظ کو دَم کرنے کے لیے بلا بھیجا۔

چودھری کرم دین کی حالت جب پھر بھی نہ سنبھلی تو ان کے اصرار پر ان کا بھائی چودھری حسن محمد مجھے بلانے کے لیے موضع راجیکی سے ہو کر موضع رجوعہ اور پھر ہیلاں پہنچا اور میرے پاس چودھری کرم داد کی ساری کیفیت بیان کی۔ میں یہ سنتے ہی جب موضع خوجیانوالی پہنچا تو حکیم غلام حسین جو احمدیت کے متعلق کسی قدر مخالف اور معترضانہ صورت میں باتیں کر رہا تھا مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا کہ مولانا صاحب! آپ کٹّر مرزائی ہیں اور یہ مرض بھی ہم اطباء کے نزدیک مایوس العلاج ہو چکا ہے۔ اگر آپ اب کوئی مرزا صاحب کی برکت کا معجزہ دکھائیں تو معلوم ہو کہ آپ کا مرزائی ہونا اور مرزا صاحب کا مہدی و مسیح ہونا کیا وزن رکھتا ہے۔

حکیم غلام حسین کا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر بجلی کی سی رَو چلا دی اور میں لوگوں میں سے گزر کر چودھری کرم داد کے پاس پہنچا اور السلام علیکم کہا۔ انہوں نے جب میری آواز سنی تو کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ اب میں خدا کے فضل سے اچھا ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت میں نے ان کے بندھے ہوئے سر سے پٹکا اتارا اور اپنا ہاتھ ان کے ماتھے پر رکھا۔ ابھی کوئی دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ان کا بخار اور سر درد غائب ہوگیا۔ میں نے ان سے حالت دریافت کی تو کہنے لگے اب تو بالکل اچھا ہوں۔ مَیں نے اسی وقت حکیم غلام حسین کو بلایا اور کہا کہ اب آپ بھی مریض کو دیکھ لیں۔ چنانچہ جب حکیم غلام حسین نے چودھری کرم داد کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھا تو حیرت زدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ بھائی مان لیا ہے کہ مرزائی پکے جادوگر ہیں اور اس فن میں کمال رکھتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے حکیم غلام حسین کو کہا کہ جس بات کو آپ نے مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ٹھہرا کر معجزہ طلب کیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ پر اتمام حجت کر دی ہے اور علمی رنگ میں تو پہلے ہی آپ بارہا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشانات اور علامات ملاحظہ کر چکے ہیں اس لیے اگر اب بھی آپ نے احمدیت قبول کرنے سے اعراض کیا تو یاد رکھیے تو پھر خدا تعالیٰ کے مؤاخذہ اور گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ چند روز کے بعد اس دنیا سے کوچ کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کو اپنی موت سے ثابت کر گیا۔

تاثیرِ دُعا

موضع راجیکی میں ہمارا ایک حجام محمد الدین نائی رہتا تھا۔ اس کی شادی پر تقریباً بیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ کیونکہ اس کے

گھرانے کو ہمارے چچا زاد بھائی حافظ غلام حسین صاحب اور ہمارے چچا صاحب حضرت میاں علیم الدین صاحب کے ساتھ بے حد عقیدت تھی اس لیے یہ حجام اور اس کی بیوی مسمات سیداں اکثر ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اولاد کے لیے دعائیں اور تعویذات کراتے رہتے تھے۔

ایک لمبا عرصہ کے بعد جب ان کی دعاؤں اور تعویزوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا تو یہ لوگ اولاد سے مایوس ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگرچہ احمدیت کی برکت سے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیضان سے میری دعاؤں اور ان کے اثرات کا عام چرچا تھا۔ مگر علماء کے فتاویٰ تکفیر اور مقاطعہ کی وجہ سے ان لوگوں کو میرے پاس آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ پھر محمد الدین حجام اور اس کی بیوی سیداں میرے پاس آنے سے اس وجہ سے بھی گریز کرتے تھے کہ اگر حافظ صاحب کو پتہ چل گیا تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔ آخر ان کی بیوی کی حالت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن سیداں نے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں کہا کہ اگر لڑکا نہیں ہو سکتا تو نہ سہی میرے گھر میں لڑکی ہی پیدا ہو جائے یہی غنیمت ہے۔ تو ایک دن میرے چچا حضرت میاں علیم الدین نے اس کو کہا کہ تم میاں غلام رسول کے پاس جاؤ اور اس سے دعا کراؤ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کی دعائیں قبول بھی کرتا ہے اور پھر بذریعہ بشارات اسے اطلاع بھی دیتا ہے۔ سیداں نے جب یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ میاں غلام رسول صاحب سے ایک تو مجھے شرم آتی ہے اور دوسرے اگر حافظ صاحب کو معلوم ہو گیا تو وہ ضرور مجھے ڈانٹیں گے کہ تم نے اس مرزائی سے کیوں دعا کرائی ہے اس لیے میرے لیے آپ ہی انہیں دعا کے لیے کہہ دیں اور میری سفارش بھی کر دیں۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ میں بھی ان سے کہوں گا مگر تمہارا ان کے پاس جانا نہایت ضروری ہے۔

اس کے بعد حضرت میاں صاحب سیداں کو لے کر میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرماتے ہوئے کہ اس نے بارہا مجھے آپ سے دعا کرانے کے لیے کہا ہے مجھے دعا کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ایسے ولیوں اور حافظ صاحب ایسے بزرگوں کی موجودگی میں اسے میرے ایسے کافروں سے دعا کرانے کی کیا ضرورت ہے؟ سیداں نے کہا اگر مولویوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اگر ہم آپ کو کافر سمجھتے تو آپ کی خدمت میں دعا کے لیے کیوں حاضر ہوتے؟ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو میری دعا تو احمدیت کی سچائی کے اظہار کے لیے ہو سکتی ہے تا کہ اس دعا کے ذریعہ آپ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے اور اس موقع پر جب کہ تمہارے پیر اور بزرگ سالہا سال سے دعاؤں اور تعویذوں میں لگے ہوئے ہیں میری دعا کے نتائج کیسے واضح ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مولا کریم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے اس ناچیز کی دعا کو سن کر تمہیں کوئی بچہ عطا فرمائے اور تم اسے بجائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان سمجھنے کے پھر انہی پیروں فقیروں کی دعا کا نتیجہ خیال کرنے لگ جاؤ۔ اس بات کو سن کر حضرت چچا علیم الدین صاحب نے فرمایا کہ ہماری دعاؤں اور عملوں کے اثرات تو لوگ سالہا سال سے دیکھ چکے ہیں کہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اس لیے اگر تمہیں کسی اشتباہ کا خیال ہے تو ہم تمہیں اس قسم کی تحریر دینے کے لیے تیار ہیں جس میں اپنی دعاؤں اور عملیات کی ناکامی کا اقرار ہوگا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں تو پھر آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر اندر اگر سیداں اور محمد الدین کے ہاں کوئی بچہ یا بچی پیدا ہو تو وہ احمدیت کا نشان ہوگا۔ انہوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور میں نے خدا کے حضور دعا شروع کر دی۔

خدا کی قدرت ہے کہ سال کے اندر ہی میرے خیر الراحمین کی رحمت اور میرے مسیح موعود قادیانی کی برکت سے اس حجام کے گھر لڑکی پیدا ہو گئی۔ گاؤں والوں نے اور گردونواح کے لوگوں نے جب اس نشان کو دیکھا کہ بعد شادی سالہا سال کے عرصہ بعد احمدیت کی برکت سے اس حجام کو خدا تعالیٰ نے اولاد دی ہے تو انگشت بدنداں ہو گئے۔ مگر پھر بھی یہ بدبخت لوگ احمدیت کے قریب نہ ہوئے۔ آخر جب اس لڑکی کی عمر چند سال ہوئی تو ان لوگوں نے اس کرامت کو اپنے خبث باطن اور انتہائی شرارت سے پھر اپنے پیروں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا اور جا بجا حافظ صاحب کا چرچا شروع ہو گیا۔ میں نے جب یہ حق پوشی کا مظاہرہ دیکھا تو مجھے بے حد تکلیف ہوئی اور میں نے اپنے چچا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو مانتا ہوں کہ یہ آپ کی متحدیانہ دعاؤں کا نشان ہے مگر یہ جہلاء کا طبقہ احمدیت کے انتہائی بغض وعناد کی وجہ سے اسے حافظ غلام حسین کا کرشمہ اور معجزہ قرار دے رہا ہے۔ ایسا ہی میں نے سیداں سے کہا کہ تم نے احمدیت کا نشان دیکھا ہے اور پھر اس کے خلاف ان لوگوں کی باتیں بھی سنی ہیں مگر تُو نے سچی گواہی کو چھپایا ہے اس لیے میں احمدیت کی غیرت کی وجہ سے اب یہ کہتا ہوں کہ اگر اس لڑکی کے بعد بھی تیرے ہاں کوئی اولاد پیدا ہوئی تو یہ سمجھنا کہ لڑکی میری دعا سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی غیر احمدی کی دعا سے پیدا ہوئی ہے اور پھر اگر یہ لڑکی آج کے دن سے ایک سال تک زندہ رہی تو پھر بھی یہی سمجھنا کہ یہ میری دعا کا نتیجہ نہیں بلکہ کسی غیر احمدی کی دعا کا نتیجہ ہے۔ پس اب احمدی اور غیر احمدی کی دعا میں یہی ایک مابہ الامتیاز ہے۔

خدا کی قدرت ہے کہ سیداں میری یہ بات سن کر گھر پہنچی ہی تھی کہ اس کی یہ لڑکی بیمار ہو گئی اور پھر سال کے اندر اندر فوت ہو گئی اور اس کے بعد دونوں میاں بیوی بغیر اولاد کے ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ فَاعتبروا یا اولی الابصار

کرشمۂ قدرت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہمایوں میں جب غیر احمدیوں کے ہمراہ نماز پڑھنے سے جماعت احمدیہ کو ممانعت ہو گئی اور ہم نے مسجد میں علیحدہ نماز پڑھنی شروع کر دی تو غیر احمدیوں نے میری ذات کو تفرقہ کا موجب سمجھتے ہوئے میری بے حد مخالفت کی۔ چنانچہ انہی مخالفت کے ایام میں یہ واقعہ رونما ہوا کہ موضع سعد اللہ پور میں ارائیں قوم کے دو بھائی مہر شرف دین اور مہر غلام محمد جو بڑے بارسوخ آدمی تھے ان میں سے مہر غلام محمد جو خوبصورت اور پہلوان اور جوان تھا اس نے دوسری شادی کرنے کے لیے ارائیں قوم کی ایک بیوہ لڑکی کے رشتہ کے متعلق اس کی والدہ اور بھائیوں کو بار بار تحریک کی۔ مگر انہوں نے سوتاپے کی وجہ سے یا کسی اور بنا پر اس لڑکی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ مہر غلام محمد نے جب اپنی کوشش کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تو دور و نزدیک کے بعض رشتہ داروں سے تحریک کروائی لیکن پھر بھی یہ بیل منڈھے نہ

چڑھی اور لڑکی والوں نے صاف انکار کردیا۔

مہر غلام محمد نے جب یہ محرومی دیکھی تو اس نے ملتان سے لے کر راولپنڈی تک کے تمام سجادہ نشینوں، پیروں اور فقیروں سے تعویذات اور عملیات اور دعائیں کرانا شروع کر دیں یہاں تک کہ جب اسی دوڑ دھوپ میں سات سال کا عرصہ گزر گیا اور پیروں فقیروں کے عملیات اور دعاؤں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو وہ بے حد مایوس ہو گیا۔ اسی دوران میں جب میں ایک دن سعد اللہ پور کی مسجد میں عام غیر احمدیوں کو احمدیت کی تبلیغ کر رہا تھا تو مہر غلام محمد کا ایک حمایتی کہنے لگا کہ اس زمانہ میں مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ تو لوگ کرتے ہیں مگر نور اور یمن کسی میں نہیں پایا جاتا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ نور اور یمن اور معجزات تو ہمیشہ خدا تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء دکھاتے چلے آئے ہیں مگر دشمنوں کی اندھی آنکھیں انہیں دیکھنے سے قاصر رہی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں لاکھوں نور اور یمن سے بھرے ہوئے معجزات دنیا کو دکھائے مگر کفار مکہ نے پھر بھی کہا کہ لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ کہ کاش اس پر کوئی نشان ہی خدا کی طرف سے اتارا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے: مَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ کہ جب بھی خدا کے نشانوں میں سے کوئی نشان کافروں کو دکھایا گیا انہوں نے اس سے اعراض ہی کیا ہے۔ ایسا ہی فی زمانہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ہزاروں اور لاکھوں نشانات منکروں کو دکھائے ہیں اور ماننے والی سعید روحوں نے ان کو دیکھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی بیعت بھی کر لی ہے۔ مگر دشمن اب بھی اس طرح لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ کے الفاظ کو دوہرا رہے ہیں۔

میری یہ بات سن کر اسی غیر احمدی نے کہا کہ مہر غلام محمد سات سال سے ایک بیوہ عورت کے لیے ملتان سے لے کر روالپنڈی تک پیروں فقیروں اور عاملوں کے پاس ٹھوکریں کھا رہا ہے مگر آج تک اس کی حاجت روائی نہیں ہوئی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جب مہر غلام محمد کی اتنی سی گتھی نہیں سلجھ سکی تو مہدی و مسیح ہونے کا دعویٰ کس کام کا ہے؟ میں نے کہا ہم تو جب ہی اس اعتراض کو صحیح مان سکتے ہیں کہ مہر غلام محمد نے ہمارے سید و مولا مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی امر کے متعلق دعا کروائی ہو اور وہ پوری نہ ہوئی ہو۔ ورنہ اس صورت میں تو ہم پر اعتراض نہیں آتا بلکہ آپ کے غیر احمدی پیروں اور فقیروں اور مرشدوں پر آتا ہے۔ وہ غیر احمدی کہنے لگا اچھا اگر مہر غلام محمد مرزا صاحب کے پاس نہیں گیا تو کیا ہوا آپ جو مرزا صاحب کے مرید یہاں موجود ہیں آپ ہی کوئی کرشمہ دکھائیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو کسی اعجاز نمائی کا دعویٰ نہیں۔ مَیں تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں میں سے ایک ناچیز آدمی ہوں۔ البتہ مہر غلام محمد اگر مجھ سے اس امر کی عقدہ کشائی کی درخواست کرے گا تو احمدیت کی تبلیغ کی غرض سے اور اتمام حجت کے لیے میں ضرور اس معاملہ میں دعا کروں گا۔

ان لوگوں نے جب میری یہ بات سنی تو مہر غلام محمد کو میری طرف بھیجا۔ اس نے آتے ہی اپنی تمام داستانِ ناکامی کی روئیداد سنائی اور ان پیروں فقیروں کے عملیات کی ناکامی کا ذکر کیا اور بتایا کہ جب بھی میں ان لوگوں کی ہدایت کے مطابق تعویذ لے کر لڑکی والے کوچہ سے گزرا ہوں تو ہمیشہ ہی مجھے اس لڑکی نے اور اس کے خاندان والوں نے انتہائی طور پر ذلیل کیا ہے اور گالیاں دی ہیں۔ اس لیے اب میں سمجھ گیا ہوں کہ ان پیروں فقیروں میں کوئی تاثیر اور یمن باقی نہیں رہا۔

میں نے کہا اچھا اب میں ایک عمل بتاتا ہوں۔ اگر اس کی تاثیر سے یہ لڑکی اور اس کی ماں خود تمہارے پاس پہنچیں اور نکاح کی درخواست کریں تو سمجھنا یہ احمدیت کی برکت ہے اور ہماری صداقت کا ایک نشان ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اسے ایک روحانی عمل بتایا۔ خدا کی حکمت ہے کہ مہر غلام محمد نے وہ عمل شروع کیا اور جلد ہی وہ لڑکی اور اس کی ماں گھر سے نکلیں اور مہر غلام محمد کو گاؤں میں تلاش کرتی ہوئیں اس کے پیچھے جنگل میں پہنچیں اور نہایت زاری کے ساتھ کہنے لگیں کہ آپ ہم دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں شادی کر لیں ہم راضی ہیں۔ چنانچہ اسی وقت وہ مہر غلام محمد کو اپنے ساتھ گھر لے آئیں اور دن کے گیارہ بجے کے قریب اس لڑکی کے ساتھ مہر غلام محمد کا عقد (نکاح) ہو گیا۔

اس کرشمۂ قدرت کا ظاہر ہونا تھا کہ اس گاؤں کے مرد و زن اور گردونواح کے لوگ حیرت زدہ ہو گئے اور مہر شرف دین اور ان کے گھرانے کے افراد نے احمدیت کو قبول کر لیا اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر آپ کی اس اعجازی برکت کا مشاہدہ کر کے ایمان لے آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

دعائے مستجاب

مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی تعلیم کے دوران جب میں موضع گولیکی میں اقامت گزیں تھا تو ان دنوں میں اکثر صوم الوصال کے روزے رکھا کرتا تھا۔ ایک دن روزے کی وجہ سے مجھے دودھ پینے کی خواہش محسوس ہوئی تو اس وقت موضع مذکور کا ایک زمیندار مسمّی اللہ دتا میرے لیے دودھ کا ایک برتن لے آیا اور اسی طرح تقریباً ہفتہ بھر وہ کسی تحریک کے بغیر ہی میری خدمت کرتا رہا۔ چونکہ اس سے قبل میری اس شخص سے کوئی شناسائی نہ تھی اس لیے میں نے ایک روز اس سے اس مدارات کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ آپ چونکہ راجیکی والے بزرگوں کی اولاد سے ہیں اور پھر ہر روز آٹھ پہرہ روزہ رکھتے ہیں اس لیے مجھے خیال آیا ہے کہ میں آپ ایسے بزرگوں کی کوئی خدمت کروں۔ میں نے کہا کہ اگر آج تم اس خدمت گزاری کی اصل وجہ بیان نہیں کرو گے تو میں یہ دودھ ہرگز نہیں پیوں گا۔ وہ کہنے لگا یہ خدمت تو میں فقط ثواب کے حصول کی غرض سے بجا لا رہا ہوں مگر ویسے آپ کی دعاؤں کا حاجت مند ہوں کیونکہ میرے سات بچے بڑے خوبصورت پیدا ہوئے تھے مگر ان میں سے ہر ایک سال دو سال کی عمر پا کر فوت ہو گیا ہے۔ ان بچوں کے متواتر فوت ہو جانے کی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اٹھرا کا مرض ہے مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مصیبت کسی جادو کے نتیجہ میں آئی ہے یا کسی بزرگ کی سوء ادبی کی سزا ہے اس لیے اب اس کو ٹلانے کے لیے کسی ایسے کامل فقیر کی ضرورت ہے جو نوشتۂ قسمت کو بدل دے۔

جب اس نے لوگوں کی اس قسم کی باتیں سنائیں اور چند دن کے بعد اس کا آخری لڑکا بھی فوت ہو گیا تو وہ پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھ گنہگار کو بخشے اور آئندہ ان صدمات سے محفوظ رکھے۔ میں نے جب اس کی یہ دست بستہ التجائیں سنیں تو میرا دل اس کی حالت پر پگھل گیا اور میں نے اسے کہا کہ میں ان شاء اللہ تمہارے لیے دعا کروں گا اور جب تک میرا

مولا کریم تمہارے بارہ میں میری تسلی نہ فرماوے میں ان شاء اللہ دعا کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد متواتر ایک عرصہ تک جب میں نے اس کے لیے دعا کی تو آخر میرے خیر الراحمین خدا نے مجھے یہ بشارت دی اور مجھے مطمئن فرمایا کہ اب اللہ دتا کا کوئی بچہ بچپن میں فوت نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے یہ بشارت قبل از وقت اللہ دتہ اور بعض دوستوں کو اس وقت سنا دی اور اس کے بعد جیسا کہ مولا کریم نے فرمایا تھا اس کے یہاں دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی جو خدا کے فضل سے بڑے ہوئے اور اب صاحب اولاد بھی ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

دعا سے معجزانہ شفا

ایسا ہی موضع مذکور میں ایک دفعہ چودھری اللہ داد خاں ولد چودھری عالم خاں صاحب کا چار سال کا بچہ شدید بیمار ہو گیا اور اس کی حالت مایوس العلاج ہو گئی۔ اس وقت چودھری اللہ داد خاں نے مجھے بلا کر وہ بچہ دکھایا (وہ بچہ بالکل مشت استخوان نظر آتا تھا) اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے اس وقت دعا بھی کی اور ایک نسخہ بھی بتایا جو اسے استعمال کرایا گیا۔ اس کے بعد میں نے چودھری اللہ داد خاں سے کہا کہ جب میں سال کے بعد آؤں گا تو یہ لڑکا اتنا تندرست ہوگا کہ میں اسے پہچان بھی نہ سکوں گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی وقوع میں آیا۔

ایسا ہی موضع مذکور میں چودھری محمد الدین جو نہایت ہی مخلص احمدی تھے انہوں نے مجھے اپنے لڑکے چودھری محمد نواب کے متعلق کہا کہ اس کے پہلے بچے فوت ہو چکے ہیں اور اب کافی عرصہ سے اس کے گھر کوئی اولاد نہیں ہوئی اس لیے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اولاد دے۔ میں نے اس کے متعلق دعا کی اور خدا تعالیٰ سے خبر پا کر کہا کہ میں جب دوبارہ آؤں گا تو خدا کے فضل سے محمد نواب کے یہاں لڑکا کھیلتا ہوگا۔ اس کے فضلوں کی بات ہے کہ جب میں دوسرے یا تیسرے سال موضع گولیکی آیا تو چودھری اللہ داد خان نے مجھے ایک بالکل تندرست لڑکا دکھایا اور کہا کہ آپ نے پہچانا ہے کہ یہ لڑکا کون ہے؟ میں نے کہا معلوم نہیں۔ کہنے لگے یہ وہی لڑکا تو ہے جس کے متعلق آپ نے دعا فرمائی تھی اور کہا تھا کہ میں جب دوبارہ گولیکی آؤں گا تو اسے پہچان بھی نہ سکوں گا۔

اس کے بعد چودھری محمد الدین آئے اور مجھے اپنے یہاں لے گئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو انہوں نے مجھے اپنا پوتا دکھایا جس کے متعلق میں انہیں ایک دو سال پہلے خوشخبری سنا چکا تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

جھنگ شہر میں خدائی نشان

جب آریوں کی طرف سے ملکانہ کے علاقہ میں شدھی کی تحریک زوروں پر تھی اور وہ مسلمانوں کے ارتداد کے لیے علاوہ اَور ذرائع اختیار کرنے کے ان کی مفلسی اور اقتصادی بدحالی سے بھی ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے اور ان کو رقمی اور مالی امداد کا طمع دے کر شدھ کر رہے تھے تو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ تحریک فرمائی کہ ارتداد کی ایسی تحریکات کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی اقتصادی حالت کو درست کریں اور اپنی تجارت کاروبار کو وسیع کر کے اور اپنی دکانیں کھول کر اور ان کو ترقی دے کر اپنی مفلسی کو دور کریں۔ اس غرض کے لیے حضور رضی اللہ عنہ نے ایک تنظیم کے ماتحت مبلغین کو مختلف علاقہ جات میں بھجوایا۔ اس سلسلہ میں خاکسار کو ضلع جھنگ میں متعین کیا گیا۔

جب میں شہر جھنگ میں پہنچا تو میں نے حالات کے پیش نظر مقامی احمدی احباب کے پاس جانا پسند نہ کیا اور شہر میں دریافت کیا کہ جھنگ میں زیادہ با اثر اور معزز رئیس جو شریف طبع اور با اخلاق بھی ہو کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ میاں شمس دین صاحب میونسپل کمشنر ان اوصاف کے مالک ہیں۔ چنانچہ میں ان کی رہائش گاہ کا پتہ لے کر وہاں پہنچا۔ میاں شمس دین صاحب اپنے گھر کے بڑے صحن میں اپنے حلقہ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجلس میں تقریباً ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ بعض کے آگے بڑے قیمتی حقے رکھے ہوئے تھے اور خود میاں شمس دین صاحب بھی حقہ پی رہے تھے جس پر چاندی کی گلکاری کی ہوئی تھی۔

مجلس کے قریب پہنچتے ہی میں نے اونچی آواز سے السلام علیکم کہا۔ علیک سلیک کے بعد میاں صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا کہ قادیان مقدس سے آیا ہوں اور احمدی ہوں۔ انہوں نے مقصد دریافت کیا تو میں نے مختصر طور پر آریوں کی تحریک شدھی مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور اس کے تدارک کے متعلق ضروری اسکیم کا ذکر کیا اور وہ امور بیان کیے جو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے رسالہ اسلام میں ذکر فرمائے تھے۔ میاں شمس دین صاحب نے کہا کہ مقاصد تو اچھے ہیں لیکن کسی قادیانی کے لیے یہاں بیٹھنا تو درکنار کھڑا ہونے کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ میں نے ان کی خدمت میں احمدیہ جماعت کا اور اس کے مقدّس امام کی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی بروقت امداد کا ذکر کیا اور ان کو بھی اس مفید اسکیم کی طرف توجہ دلائی لیکن انہوں نے بے التفاتی برتی۔ دریں اثناء ایک طبیب نے جو اسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کسی تعلق سے کہا کہ علم الطب یقینی علم ہے۔ میں نے اس کی یہ بات سن کر عرض کیا کہ اس وقت تو مَیں جا رہا ہوں کسی علمی بات کا موقع نہیں صرف اتنا کہہ دیتا ہوں کہ افلاطون کا مشہور مقولہ اطباء اسلام نے نقل کیا ہے کہ

اَلْمُعَالَجَةُ كَرَمْيِ السَّهْمِ فِي الظُّلُمَاتِ قَدْ يُخْطِئُ وَقَدْ يُصِيبُ

یعنی مریضوں کا علاج معالجہ اندھیرے میں تیر پھینکنے کی طرح ہے جو کبھی نشانہ پر بیٹھتا ہے اور کبھی خطا جاتا ہے۔ پس علم طبّ کو یقینی علم کہنا درست نہیں۔

میں ابھی اس سلسلے میں بات کر ہی رہا تھا کہ میاں شمس دین صاحب کو گھر سے اطلاع ملی کہ ان کی لڑکی (جس کو آٹھواں مہینہ حمل کا ہے بوجہ قَے) قریب المرگ ہے۔ ان کو زنان خانہ میں فوراً بلایا گیا۔ ادھر پیغامبر نے یہ اطلاع دی اور دوسری طرف میں نے باہر نکلتے ہوئے السلام علیکم کہا اور پنجابی میں یہ بھی کہا کہ ’’اچھا تسی وسدے بھلے اور اسی چلدے بھلے‘‘۔ ابھی میں نے ایک دو قدم ہی باہر کی طرف اُٹھائے تھے کہ میاں صاحب نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں اور اگر آپ کو طبابت سے واقفیت ہو تو اس مرض کے لیے کوئی نسخہ بتا جائیں۔ مَیں نے کہا کہ حاملہ کی قَے کے لیے آپ سات پتے پیپل کے جو خود ریختہ ہوں لے لیں اور ان کو جلا کر راکھ چینی کے پیالہ میں ڈال لیں اور آدھ پاؤ یا تین چھٹانک پانی ڈال کر اس میں گھول لیں۔ جب راکھ نیچے بیٹھ جائے تو پھر گھول لیں۔ اسی طرح سات مرتبہ کر کے راکھ کو تہ نشین کر لیں اور یہ مقطر پانی مریضہ کو پلا دیں۔

میرے کہنے کے مطابق میاں صاحب نے عمل کیا۔ خدا تعالیٰ کے عجائبات ہیں کہ مریضہ کی قَے پانی پیتے ہی رُک گئی اور اس کی طبیعت فوراً سنبھل گئی۔ جب

انہوں نے یہ کرشمۂ قدرت دیکھا تو میری طرف فوراً آدمی دوڑایا (میں اس عرصہ میں گھر سے نکل کر دُور آچکا تھا) اور مجھے اپنے آنے تک رُکنے کے لیے کہا۔ چنانچہ میں رُک گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی آپہنچے اور علاج کی بے حد تعریف کرنے کے بعد درخواست کرنے لگے کہ مَیں ان کے ہاں مہمان ٹھہروں اور وہ ہر طرح سے میرے آرام وسہولت کا خیال رکھیں گے اور مہمانداری کا حق ادا کریں گے۔ میں نے کہا میری دعوت کو تو آپ نے ردّ فرمایا ہے جو قومی فائدہ کے لیے تھی اور اپنی طرف سے مجھے دعوت دے رہے ہیں۔ میاں صاحب نے بہت معذرت کی اور کہا کہ جو کچھ ہوا سب ناواقفیت کی وجہ سے ہوا۔ اب میں روزانہ شہر میں ڈھنڈوری پٹا کر مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کا انتظام کروں گا اور جلسہ کا انعقاد کر کے آپ کو مفید اور کارآمد خیالات کے اظہار کا موقع بہم پہنچاؤں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ روزانہ جلسے کا انتظام اور انعقاد کرتے اور خود اپنی صدارت میں میری تقریر کراتے۔ ان کے اثر ورسوخ اور وقار کی وجہ سے لوگ جوق درجوق جلسہ میں آتے اور میری تقریر کو سنتے یہاں تک کہ شہر کے مسلمانوں میں اپنی اقتصادی حالت کو سنوارنے کے لیے خوب بیداری پیدا ہوگئی۔ اسّی کے قریب مسلمانوں کی نئی دکانیں کھل گئیں اور جو دوکانیں اور کاروبار پہلے موجود تھا زیادہ پُررونق ہوگیا۔

مجھے بوجہ اس شہر میں ناواقفیت اور اجنبیت کے بظاہر کامیابی کی کوئی امید نہ تھی لیکن یہ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی توجہ اور قوت قدسیہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اچانک میاں شمس دین صاحب کی لڑکی کے اچانک بیمار ہونے اور میرے معمولی علاج سے شفایاب ہونے کا واقعہ ظاہر ہوا اور وہ جو میرا اپنے گھر میں کھڑا ہونا بھی برداشت نہ کرسکتے تھے ایک زبردست معاون اور ہمدرد بن گئے اور بڑے فخر اور محبت سے تقریباً دو ہفتہ تک میری رہائش اور مہمان نوازی کا انتظام کیا اور مزید قیام کے لیے بھی اصرار کرتے رہے۔ اس موقع پر جھنگ شہر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس رنگ میں کامیابی ہوگئی کہ ہندو تلملا اٹھے اور سرکاری افسران کو تاریں دیں کہ قادیانی مولوی کو اس طرح کارروائی کرنے سے روکا جائے۔

بھدرک (اُڑیسہ) میں سلسلۂ حقّہ کی تائید

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے ماتحت ہندوستان کے دورہ کے لیے چار افراد پر مشتمل ایک وفد بھیجا گیا جس میں خاکسار راقم مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مہاشہ محمد عمر صاحب اور گیانی عباداللہ صاحب شامل تھے۔ ہم پہلے کلکتہ گئے۔ وہاں سے ٹاٹانگر جمشید پور ہوتے ہوئے کیرنگ پہنچے۔ کیرنگ میں بڑی جماعت ہے جو مولوی عبدالرحیم صاحب پنجابی کے ذریعہ قائم ہوئی تھی۔ کیرنگ کے اردگرد کے دیہات میں بھی ہم تبلیغ کی غرض سے جاتے رہے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں ایک سانپ کا عجیب نمونہ دیکھا۔ ہم بلندی کے اوپر ایک راستہ پر جارہے تھے اور وہ بہت بڑا سانپ نشیب میں جارہا تھا۔ اس سانپ کے اوپر کی طرف پشت پر بالکل گلہری کی طرح دھاریاں تھیں۔ اسی طرح اس علاقہ کے سرس کے درخت دیکھے۔ ان کے پھول بجائے زرد اور کالے رنگ کے سرخ رنگ کے تھے۔ اس رنگ کے پھول پنجاب وغیرہ کے علاقوں میں نہیں ہوتے۔

کیرنگ سے ہم بھدرک پہنچے۔ یہ خاں صاحب مولوی نور محمد صاحبؓ کا آبائی وطن تھا جو پولیس کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ بھدرک میں علاوہ دیگر شرفاء اور معززین کے ایک ہندو مہنت سے بھی ملاقات ہوئی جو وہاں کے رئیس تھے۔ انہوں نے ہماری ضیافت کا انتظام بھی کیا اور اپنی وسیع سرائے میں جلسہ کرنے اور لیکچر دینے کی اجازت دی۔ اس سرائے کے ایک حصہ میں ہندوؤں کے بت خانوں کی یادگاریں اور بتوں کے مجسمے جابجا نصب تھے۔ جب ہماری تقریریں شروع ہوئیں تو اوپر سے ابر سیاہ برسنا شروع ہوگیا۔ تمام چٹائیاں اور فرش بارش سے بھیگنے لگا۔ اس وقت احمدیوں کے دلوں میں لیکچروں میں رکاوٹ کی وجہ سے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ میرے دل میں بھی سخت اضطراب پیدا ہوا اور میرے قلب میں دعا کے لیے جوش بھر گیا۔ میں نے دعا کی کہ اے ہمارے مولیٰ! ہم اس معبدِ اصنام میں تیری توحید اور احمدیت کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں اور تیرے پاک خلیفہ اور مصلح موعود کے بھیجے ہوئے آئے ہیں لیکن آسمانی نظام اور ابر سحاب کے منتظم ملائکہ بارش برسا کر ہمارے اس مقصد میں روک بننے لگے ہیں۔ میں یہ دعا کر ہی رہا تھا کہ قطرات بارش جو ابھی گرنے شروع ہی ہوئے تھے، طرفۃ العین میں بند ہوگئے اور جو لوگ بارش کے خیال سے جلسہ گاہ سے اُٹھ کر جانے لگے تھے، مَیں نے ان کو آواز دے کر روک لیا اور کہا اب بارش نہیں برسے گی، لوگ اطمینان سے بیٹھ کر تقریریں سنیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے سب مبلغین کے لیکچر ہوئے اور بارش بند رہی اور تھوڑے وقت میں مطلع بالکل صاف ہوگیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک

بھاگلپور میں تائیدِ الٰہی کا کرشمہ

ہمارا یہ وفد جب بھاگلپور میں پہنچا تو مقامی جماعت کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کر کے ہمارے لیکچروں کا انتظام کیا گیا۔ جلسہ کا پنڈال ایک سرسبز شاداب اور وسیع میدان میں بنایا گیا۔ حضرت مولوی عبدالماجد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں کے امیر جماعت تھے۔ آپ کے انتظام کے ماتحت کرسیاں میز اور دریاں قرینے سے لگائی گئیں۔ حاضرین کی تعداد بھی کافی ہوگئی۔

ابھی جلسہ کا افتتاح ہی ہوا تھا کہ ایک کالی گھٹا جو برسنے والی تھی مقابل کی سمت سے نمودار ہوئی اور کچھ موٹے موٹے قطرات بارش کے گرنے بھی شروع ہوگئے۔ میں اس وقت سٹیج کے پاس حضرت مولوی ابوالفتح پروفیسر عبدالقادر صاحب کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے قلب میں اس وقت بارش کے خطرہ اور تبلیغی نقصان کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک جوش بھر گیا اور میں نے اس جوش میں اس الحاح اور تضرّع کے ساتھ دعا کی کہ اے خدا! یہ ابر سیاہ تیرے سلسلہ حقہ کے پیغام پہنچانے میں روک بننے لگا ہے اور تبلیغ کے اس زریں موقع کو ضائع کرنے لگا ہے۔ تُو اپنے کرم اور فضل سے اس امنڈتے ہوئے بادل کو برسنے سے روک دے اور اس کو دُور ہٹا دے۔ چنانچہ جب لوگ موٹے موٹے قطرات کے گرنے سے دُور ہٹنے لگے اور بعض لوگوں نے فرش کو جو نیچے بچھایا ہوا تھا لپیٹنے کی تیاری کرلی تو میں نے اس سے منع کر دیا اور لوگوں کو تسلی دلائی کہ وہ اطمینان سے بیٹھے رہیں، بادل ابھی چھٹ جائے گا۔

یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ وہ بادل جو تیزی سے امنڈا چلا آتا تھا قدرت مطلقہ سے پیچھے ہٹ گیا اور بارش کے قطرات بھی بند ہوگئے اور ہمارا جلسہ خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیابی کے ساتھ سرانجام ہوا۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک

غازی کوٹ ضلع گورداسپور میں ایک نشان

اسی قسم کا ایک واقعہ اور کرشمۂ قدرت غازی کوٹ ضلع گورداسپور میں ظہور پذیر ہوا۔ گاؤں مذکور کے رئیس نے، جو مخلص احمدی تھے، وہاں ایک تبلیغی جلسے کا انتظام کیا اور علاوہ مبلغین اور مقررین کے ارد گرد کے احمدی احباب کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی۔ جلسہ دو دن کے لیے مقرر کیا گیا۔ جب غیر احمدیوں کو اس جلسہ کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اپنے علماء کو جو فحش گوئی اور دشنام دہی میں خاص شہرت رکھتے تھے مدعو کر لیا اور ہماری جلسہ گاہ کے قریب ہی اپنا سائبان لگا کر اور اسٹیج بنا کر حسبِ عادت سلسلہ حقہ اور اس کے پیشواؤں اور بزرگوں کے خلاف سب وشتم شروع کر دیا۔ ابھی چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ایک طرف سے سخت آندھی اٹھی اور اس طوفان باد نے انہی کے جلسہ کا رُخ کیا اور ایسا اودھم مچایا کہ ان کا سائبان اُڑ کر کہیں جا گرا، قناتیں کسی اَور طرف جا پڑیں اور حاضرین جلسہ کے چہرے اور سر گرد سے اَٹ گئے یہاں تک ان کی شکلیں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ بارہ بجے دوپہر تک جو غیر احمدیوں کا پروگرام تھا وہ سب کا سب طوفان باد کی نذر ہو گیا۔

ہمارا جلسہ 12 بجے کے بعد شروع ہونا تھا اور سب سے پہلی تقریر میری تھی۔ آندھی کا سلسلہ ابھی چل رہا تھا کہ مجھے اسٹیج پر بلایا گیا۔ میں نے سب حاضرین کی خدمت میں عرض کیا کہ سب احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جلسہ کو ہر طرح سے کامیاب کرے۔ چنانچہ میں نے سب حاضرین سمیت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خدا تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے مولیٰ کریم! تُو نے خود ہی قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ مخلص مومن اور فاسق و کافر برابر نہیں ہو سکتے اور تجھے معلوم ہے کہ احمدیوں کے جلسہ کی غرض تیرے پاک مسیح کی تصدیق اور توصیف کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر دونوں مقاصد میں تیرے نزدیک کوئی فرق ہے تو اس آندھی کے ذریعہ اس فرق کو ظاہر فرما اور اس آندھی کے مسلط کرنے والے ملائکہ کو حکم دے کہ وہ اس کو تھام لیں تا کہ ہم جلسہ کی کارروائی کو عمل میں لا کر اعلائے کلمۃ کر سکیں۔ مَیں ابھی دعا کر ہی رہا تھا اور سب احباب بھی میری معیت میں ہاتھ اُٹھائے ہوئے تھے کہ یکدم آندھی رک گئی اور ایسی رکی کہ ریاح عاصفہ سے بادِ نسیم میں تبدیل ہو گئی اور چند منٹ تک ہوا میں بالکل سکون ہو گیا اور ہمارا جلسہ بخیر وخوبی سرانجام پایا۔ خدا تعالیٰ کی نصرت کے یہ سب کرشمے اس کے پاک مسیح موعود اور نائب الرسول اور اس کے عظیم الشان خلفاء کی خاطر اور ان کی برکت سے ظاہر ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

موضع کھنا والی کا ایک واقعہ اور کرشمۂ قدرت

ایک دفعہ سید عادل شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی اور بڑے مخلص احمدی تھے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کے گاؤں موضع کھنا والی میں ایک تبلیغی جلسہ کیا جائے جس میں تمام گردونواح کے احمدی احباب اکٹھے ہوں تا کہ اس جلسہ کے ذریعہ ایک تو احمدیت کی تبلیغ ہو اور دوسرے احمدی احباب کی ملاقات بھی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے جلسہ کی تاریخ مقرر کی اور ہم سب احمدی موضع کھنا والی پہنچ گئے۔ دوران جلسہ میں میری بھی تقریر ہوئی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ اور دلائل کے متعلق قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں سے ثبوت پیش کیے گئے۔ ان تقریروں کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اثر ہوا کہ بعض غیر احمدیوں نے حضرت مسیحؑ کی وفات کا مسئلہ تو تسلیم کر لیا اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی انہیں حسن ظنی پیدا ہو گئی اور وہ نفرت اور کراہیت، جو علماء مکفّرین کے فتاویٰ کی وجہ سے ان لوگوں میں پائی جاتی تھی، بہت حد تک دُور ہو گئی۔

ہم نے چونکہ ان تقریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات اور بعض نشانوں کا بھی ذکر کیا تھا اس لیے جلسہ کے برخاست ہونے کے بعد جب ہم سب دوست نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آئے تو ہمارے پیچھے اس گاؤں کے دو ماچھی سقہ قوم کے فرد بھی آ گئے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ مہدی و مسیح کا دعویٰ تو کیا جاتا ہے مگر نور اور یمن اتنا بھی نہیں کہ کوئی کرامت دکھا سکیں۔ میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا تمہاری اس سے کیا مراد ہے۔ تب ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا بھائی قریباً ڈیڑھ سال سے ہچکی کے مرض میں مبتلا ہے۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے علاج سے بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اگر آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کراتے اور اس کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو اعتراض بھی تھا۔ اب ہم پر کیا اعتراض ہے! اس نے کہا تو آپ احمدیت کا اثر دکھائیں تا کہ ہم بھی دیکھ لیں کہ احمدی اور غیر احمدی لوگوں میں کیا فرق ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے تو لاؤ کہاں ہے تمہارا مریض۔ چنانچہ اسی وقت اس شخص نے اپنے بھائی کو جو پاس ہی بیٹھا کراہ رہا تھا میرے سامنے کھڑا کر دیا۔

خدا کی حکمت ہے کہ اس مریض کا میرے سامنے آنا ہی تھا کہ میں نے ایک غیبی طاقت اور روحانی اقتدار اپنے اندر محسوس کیا اور مجھے یوں معلوم ہونے لگا کہ میں اس مرض کے ازالہ کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اعجاز نما قدرت رکھتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت میں نے اس مریض کو کہا کہ تم میرے سامنے ایک پہلو میں لیٹ جاؤ اور چار چار منٹ تک جلد جلد سانس لینا شروع کر دو۔ (یہ بات میں نے ایک الہامی تحریک سے کہی تھی۔) چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد میں نے اسے اٹھنے کے لیے کہا۔ جب وہ اُٹھا تو اس کی ہچکی بالکل نہ تھی۔ اس کرامت کو جب تمام حاضرین نے دیکھا تو حیرت زدہ ہو گئے اور وہ دونوں بھائی بلند آواز سے کہنے لگے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مرزا صاحب واقعی سچے ہیں اور ان کی برکت کے نشان واقعی نرالے ہیں۔ اس کے بعد حکیم علی احمد صاحب احمدی رضی اللہ عنہ جو ایک عرصہ تک اس مرض کا علاج کر کے مایوس ہو چکے تھے، مجھے کہنے لگے آج آپ نے تو کمال دکھایا ہے۔ میں نے کہا یہ تو احمدیت کا کمال ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نشان ظاہر کیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

دل کی نماز

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ایک دفعہ ملامتی فقیروں کی ایک ٹولی موضع سعد اللہ پور ضلع گجرات میں وارد ہوئی۔ لوگوں نے جب ان فقیروں کے بے دینی کے حالات ملاحظہ کیے اور بعض مسائل کے متعلق ان سے گفتگو بھی کی تو اس کے سرکردہ فقیر نے جو بڑا چالاک اور ہوشیار آدمی تھا سب کو لاجواب کر دیا۔ اتفاق سے انہی دنوں مَیں بھی اس گاؤں میں گیا تو مجھے بھی بعض

دوستوں نے ان کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے گفتگو کرنے کو کہا۔ چنانچہ میں بھی صبح کے وقت چند دوستوں کے ہمراہ ان کے پاس پہنچا اور ان لوگوں سے مسائل مخصوصہ کے متعلق گفتگو کی۔ دورانِ گفتگو میں جب نماز کے متعلق بات چلی تو ان لوگوں کے سر کردہ نے کہا کہ نماز تو دراصل دل کی ہوتی ہے ورنہ ظاہری نماز تو کافر اور منافق انسان بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس کے جواب میں مَیں نے انہیں بتایا کہ اگر دل کی نماز سے تمہاری یہی مراد ہے کہ اس کی ادائیگی میں ظاہری ارکان کی چنداں ضرورت نہیں تو ایسی نماز ہمارے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت سے تو ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نماز کے ساتھ حضور قلب کی شرط لگائی ہے وہاں آنحضرت ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے اس کے ظاہری ارکان کی پابندی کو بھی ضروری قرار دیا ہے بلکہ حدیث شریف میں تو نماز کے تارک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا ہے کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ یقیناً کافر ہو گیا۔ اور ایک جگہ فرمایا: اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ وَالْکَافِرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ کہ مومن اور کافر انسان کا امتیاز نماز چھوڑنے سے ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جب اہل جنت دوزخیوں سے دوزخ میں جانے کی وجہ دریافت کریں گے تو اس کے جواب میں دوزخی اپنا سب سے پہلا جرم یہی بتائیں گے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ یعنی ہم وہ نماز جو حضور قلب اور ارکان مخصوصہ پر مشتمل تھی ادا نہیں کیا کرتے تھے۔

پس مسلمان ہوتے ہوئے نماز کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس کا تعلق محض دل سے ہے اور قیام ورکوع اور سجود وتعوذ سے وابستہ نہیں یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے مثال کے طور پر انہیں یہ بھی سمجھایا کہ انسان دراصل محض روح یا محض جسم کا نام نہیں بلکہ روح اور جسم کے مرکب کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کی روح جہاں اس کے جسمانی مؤثرات سے متأثر ہوتی ہے وہاں اس کا جسم بھی اس کے روحانی مؤثرات سے متأثر ہونے پر مجبور ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ دل میں تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا جذبہ موجود ہو مگر جسم اور اس کے اعضاء یا روح پر اس کا کوئی اثر نہ ہو درست نہیں ہے۔

بقیہ از صفحہ 16

امان اللہ خان کا آخری سفر

ایک شاگرد عبدالرحمٰن خان کو اُس وقت کے امیر کابل عبدالرحمٰن نے بوجہ احمدی ہونے کے تکیہ مُنہ پر رکھ کر سانس بند کر کے مروا دیا تھا۔

اب خدا تعالیٰ کی قہری تجلّی کا وقت قریب آرہا تھا اور کابل پر خدا تعالیٰ کا قہر نازل ہونے والا تھا۔ امیر حبیب اللہ خان کو یہ سزا ملی کہ 1919ء میں جلال آباد کے قریب جبکہ وہ اپنی شکارگاہ کے اندر سویا ہوا تھا، پہرے لگے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے اسے پستول سے ہلاک کر دیا اور قاتل بھی گرفتار نہ ہوا۔ اب امان اللہ خان کو اپنے ظلم کے پودے کا تلخ پھل ملنا تھا جو اُن کے تخت سے اُتارے جانے کی صورت میں ملا۔

ڈاک کے جہاز نے پہلی سیٹی دی تو سنٹرل ہال سے دو اشخاص برآمد ہوئے جو تمام نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ دونوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے اور وہ مایوسی کے مجسمے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ دونوں سابق شاہانِ افغانستان امان اللہ خان اور عنایت اللہ خان تھے۔ امان اللہ خان نے بوقتِ فرار اپنے برادرِ کلاں عنایت اللہ خان کے حق میں تختِ کابل سے دست برداری لکھ دی تھی مگر بدقسمتی نے نئے بادشاہ کو بھی نہ چھوڑا اور وہ صرف تین دن تک (وہ بھی محض برائے نام طور پر سخت افراتفری کے ایّام میں) حکمران رہ سکا۔ چاروں طرف سے حالات سے مجبور ہو کر آخر عنایت اللہ خان نے برٹش سفیر سر فرانسس ہمفریز سے التجا کی کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی جان بچائی جائے۔ انہوں نے پشاور سے فوراً دو ہوائی جہاز منگوا کر ان کو امن سے پشاور پہنچا دیا جہاں سے وہ بھی ممبئی چلے گئے۔ یہاں اُن کے ہاں بھی لڑکی تولّد ہوئی۔ کچھ دنوں بعد وہ ایران چلے گئے۔

دونوں بھائی باہر پلیٹ فارم پر کھڑے تھے کہ ڈاک یارڈ کے کسی افسر نے لوہے کے جنگلے میں ایک دروازہ کھول دیا۔ جو ہجوم دُور سے نظارہ کر رہا تھا وہ اندر آ گیا۔ دونوں بھائیوں کی حالت سخت قابلِ رحم تھی۔ اُن کی سُوجی ہوئی آنکھوں سے یہ صاف عیاں تھا کہ وہ دونوں سخت روتے رہے ہیں۔ آخری مصافحہ کرنے کے بعد امان اللہ خان آہستہ آہستہ جہاز کی سیڑھی پر چڑھنے لگے اور پریس کے کیمروں نے ان کے فوٹو اتارنے شروع کیے جو شام کو اخبارات میں شائع ہو گئے۔ اُوپر جا کر وہ بھی دوسرے مسافروں کی طرح جہاز کے جنگلے پر ٹیک لگا کر حسرت سے نیچے دیکھنے لگے۔ ان کا بڑا بیٹا ہدایت اللہ خان بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ملکہ ثریّا چونکہ حالتِ زچگی میں تھی ان کو صبح سویرے ہی جہاز پر پہنچا دیا گیا تھا۔

اُس وقت کا منظر عجیب تھا۔ قدرت کی نیرنگی تھی کہ کبھی پورے شاہانہ وقار سے فیلڈ مارشل کی وردی میں ملبوس امان اللہ خان وزیروں سمیت نائب السلطنتِ ہند اور بڑے بڑے عمائدین حکومتِ ہند کے جھرمٹ میں یورپ کو روانہ ہوئے تھے اور آج اسی انگریزی سلطنت کا ایک ادنیٰ کارکن بھی مشایعت کے لیے موجود نہ تھا۔ میرے والد مولوی نعمت اللہ خان صاحب گوہر بی۔ اے نے 1924ء میں نعمت اللہ خان شہید کے متعلق چند اشعار فارسی میں لکھے تھے ان میں ایک تو پیشگوئی بن کر ظاہر ہو رہا تھا۔

کہ اماں یا بد ستمگر بد شعار
تا بہ کے ایں فرّو ایں زور آوری

جب جہاز چلنے کے قریب تھا تو کسی نے چند خلاصیوں کو اکٹھا کر کے نعرہ لگا دیا: ’’امان اللہ خان۔ زندہ باد‘‘۔ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی محل نہ تھا، سابق شاہ تو پریشان ہو گئے۔ دوسرے مسافر زیر لب مسکرا دیے۔ جہاز کی سیڑھی علیحدہ کر دی گئی اور جہاز نے تیسری سیٹی دی اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ انہی دنوں دہلی کے اخبار ’’تیج‘‘ میں امان اللہ خان کے متعلق یہ دو شعر شائع ہوئے تھے۔

یہ حال ہے جہاں کے نشیب و فراز کا
حاصل ہے تخت کی جگہ تختہ جہاز کا
اٹلی میں جا کے ہوں گے امان اللہ خاں مقیم
در پیش ہے سفر رہِ دُور و دراز کا

فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ

افغان بادشاہ امان اللہ خان کا آخری سفر

(عبدالرحمٰن شاکر)

سابق شاہِ افغانستان امان اللہ خان کی موت بھی بحیثیت ایک انسانی حادثے کے بڑی سبق آموز تھی۔ ان کی زندگی سے لوگ بہت عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اولوالعزم شخص بگولے کی طرح اٹھا اور آندھی کی طرح چھایا اور بادِ صرصر کی طرح غائب غُلّا ہو گیا۔ دس برس کے اندر اندر قصّہ ہی ختم ہو گیا۔

مَیں بھی اس واقعہ کا عینی شاہد ہوں جب 22 جون 1929ء کو امان اللہ خان نے ممبئی سے ڈاک کے جہاز ''ملتان'' پر ایک بجے دوپہر سوار ہو کر اٹلی کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہ کئی ماہ سے، ممبئی کے مشہور و معروف ہوٹل تاج محل میں رہائش رکھتے تھے۔ عین اِسی مقام سے تقریباً ایک سال قبل اُس وقت کے وائسرائے لارڈ ارون نے ان کو تمام برطانوی جاہ و حشم کے ساتھ یورپین دَورے پر الوداع کہی تھی۔ وہ چند ماہ قبل افغانستان سے بھاگ کر ہندوستان میں انگریزوں کی پناہ میں آ گئے ہوئے تھے کیونکہ اُن کی رعایا نے اُن کو تخت سے محروم کر دیا تھا۔ رعایا بادشاہ کی جدید قسم کی اصلاحات سے اعلانیہ طور پر ناراض تھی۔ اُدھر بادشاہ ان اصلاحات کو اپنے دُور افتادہ اور پسماندہ ملک کے لیے نہایت ضروری خیال کرتا تھا۔ رعایا کے لوگ پرانی ڈگر پر چلنے کو ہی عین اسلام خیال کرتے تھے۔ مٹھی بھر ڈاکوؤں نے کابل کے ارد گرد کے علاقے میں سخت دہشت پھیلا رکھی تھی۔ سرکاری فوج اور پولیس ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھی اور ان کے مقابلہ میں بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ بات شاہ امان اللہ کے ستارۂ واژ گوں کی کُھلی علامت تھی۔ افغانستان کے مدّبر اور زیرک لوگ بدحواس ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی اس قدر سمجھ نہ آئی کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ رفتہ رفتہ وہ دن بھی آیا کہ شہر کابل پر ڈاکوؤں نے قبضہ کر لیا اور خود حکومت کرنے لگے۔

وہ تو کہیے کہ قسمت کا ستارہ ابھی بالکل غروب نہ ہوا تھا۔ امان اللہ خان چُپکے سے موٹر میں کابل سے نکل کر قندھار پہنچ گئے۔ راستے میں اُن کی موٹر کا پٹرول ختم ہو گیا اور ویرانے میں کھڑے تھے کہ قسمت ایک دفعہ پھر مسکرائی۔ قندھار سے پٹرول لے کر سرکاری لاریاں وہاں پہنچ گئیں۔ اُن سے پٹرول مل گیا اور سفر جاری رہا۔ قندھار پہنچ کر انگریز افسرانِ اعلیٰ سے رابطہ قائم کیا گیا اور درخواست کی گئی کہ ہندوستان میں پناہ گزین ہونے کی اجازت دی جائے جو بہت جلد مل گئی۔ ایک سپیشل ٹرین مہیّا کر دی گئی جو ان کو لے کر سکھر، فاضلکا، بھٹنڈا، دہلی، جے پور اور بڑودہ سے ہوتی ہوئی قلابہ سٹیشن ممبئی پر جا ٹھہری۔ وہاں پر تاج محل ہوٹل کی دو رولز رائس سیاہ رنگ کی کاریں جن میں گہرے پردے لگے ہوئے تھے معزول بادشاہ کو لینے کے لیے موجود تھیں۔ ممبئی میں قدرے لمبے عرصہ قیام میں امان اللہ خان شاذ ہی باہر نکلے۔ وہ تشہیر سے بچتے تھے۔ شام کو جب گیٹ وے آف انڈیا کے سامنے سیر کرنے والے بیٹھے ہوتے تو کبھی کبھار اُوپر سے جھانک لیا کرتے تھے۔ اُن کے مصائب میں ایزادی کے لیے ممبئی میں ان کے گھر لڑکی بھی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے اپنے قیامِ ہندوستان کی نسبت سے ''ہندیہ خانم'' رکھا۔

امان اللہ خان نے اپنے آباء کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک بے گناہ احمدی حضرت نعمت اللہ خان کو بمقام کابل 31 /اگست 1924ء کو سنگسار کرا دیا تھا۔ چونکہ امان اللہ اپنے گردوپیش کے ملّاؤں سے خائف تھا اس لیے اُن کے کہنے پر اس معصوم شخص کو مروا دیا حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اپنے قلم کی ایک جنبش سے اُسے بچا سکتا تھا۔ مگر اس نے اپنی سلطنت کا استحکام اِسی بات میں سمجھا کہ ایک کلمہ گو کو ضرور قتل کرا دیا جائے تا کہ رعایا خوش ہو جائے۔ چونکہ سرزمینِ کابل پر ایسے واقعات پہلے بھی رونما ہو چکے تھے مگر خداوند تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا تھا۔ اب اس کی غیرت جوش میں آ گئی اور ساری کسر ایک دفعہ ہی نکل گئی۔ اس سے قبل 14 /جولائی 1903ء کو امان اللہ کے والد امیر حبیب اللہ خان نے سلطنتِ کابل کے بہترین عالم حضرت سیّد عبداللطیف صاحب رضی اللہ عنہ کو صرف اور محض اِس وجہ سے سنگسار کرا دیا تھا کہ وہ حضرت امام الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرید ہو گئے تھے۔ یہ وہ بزرگ ہستی تھی جو امیرانِ کابل کے سروں پر تاج پہنایا کرتے تھے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی تمام املاک وغیرہ بحق سرکار ضبط کر لی گئیں اور بیوی بچوں کو زنجیریں پہنا کر ہرات کی طرف ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ بڑی اذیّتیں دی گئیں۔ حالانکہ جب کُھلے دربار میں حضرت سیّد صاحب رضی اللہ عنہ کا ملّاؤں کے ساتھ مباحثہ کروایا گیا تھا تو عُلمائے کابل لاجواب ہو گئے تھے۔ مگر انہوں نے متفقہ طور پر امیر کی خدمت میں رپورٹ پیش کی کہ اس کے عقائد سخت ملحدانہ ہیں اور یہ شخص واجب القتل ہے۔ اِس محضر نامہ پر امیر نے مُہرِ تصدیق لگا دی۔ آخر جب سیّد صاحب کو زمین میں گاڑ دیا گیا تو اس وقت امیر نے خود جا کر اُن سے کہا کہ اب بھی اگر احمدیت کا انکار کر دو تو مَیں بچا لیتا ہوں۔ مگر سیّد صاحب نے نہایت جوانمردی سے جواب دیا کہ میں جس چیز کو حق خیال کرتا ہوں اب اس کی تکذیب کیونکر کر دوں؟

حضرت سیّد عبداللطیف صاحب رضی اللہ عنہ جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں قادیان میں اقامت رکھتے تھے ان کو پے در پے متواتر الہامات ہوتے رہے کہ سرزمینِ کابل اُن کے خون کا مطالبہ کرتی ہے جو اُنہوں نے وقت آنے پر پیش کر دیا۔ اِس واقعہ سے بھی کچھ عرصہ قبل سیّد صاحب موصوف کے

باقی صفحہ 15 پر ملاحظہ فرمائیں

(دوسری اور آخری قسط)

محترم ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب

(مرتب: بشارت الرحمن زیروی)

امریکہ میں ہوسٹل میں قیام تھا۔ کھانا باہر ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا پڑتا تھا۔ کافی پریشانی ہوئی۔ چار پانچ روز گزرے تو ایک انڈین سے ملاقات ہوئی۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ تین ہندوستانی لڑکے ایک امریکن بڑھیا کے مکان میں دو کمرے کرائے پر لے کر رہ رہے ہیں۔ کھانا خود ہی پکاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا مَیں بھی ان کے ساتھ رہ سکتا ہوں، کرایہ اور کھانے کا خرچ شیئر کرلوں گا۔ کہنے لگا کہ دوسرے دولڑکوں سے بات کر کے کل بتاؤں گا۔ اگلے روز اُس نے بتایا کہ مَیں اس شرط پر اُن کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ کھانا پکانے میں اُن کی مدد کروں۔ میں فوراً مان گیا اور اگلے روز ہی اُن کے ساتھ رہائش اختیار کرلی۔ آٹا گوندھ کر روٹی پکانا اور کبھی کبھار سالن تیار کرنا میرے ذمہ تھا۔ گھٹیالیاں سکول میں یہ کام کر چکا تھا اس لیے کچھ مشکل نہ لگا۔ مِل جل کر کام ہو جاتے تھے۔

ایک روز پتہ چلا کہ انجینئرنگ کالج میں ایک پاکستانی ہے تو مَیں اُس سے بھی ملا۔ چند ماہ بعد انجینئرنگ کالج میں دو انڈین مسلمان بھی حیدرآباد دکن سے آ گئے۔ انہوں نے ایک گھر کے دو کمرے کرایہ پر لیے تو مَیں بھی ان کے ساتھ شفٹ ہو گیا۔ صبح 8 بجے سے ایک بجے تک کلاس ہوتی اور شام تک لیب میں ریسرچ کرنی ہوتی تھی۔ میری انگلش تو پہلے ہی کچھ اچھی نہ تھی۔ کسی نے یہ بتایا کہ ٹی وی دیکھو تو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ شروع میں تو ٹیلیویژن پر بھی کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا بول رہے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد انگلش سمجھ میں آنے لگی اور کلاس میں لیکچرز بھی سمجھ میں آنے لگے۔ کلاس میں اکثر طلبہ تو نوٹس لیتے تھے لیکن کچھ ٹیپ ریکارڈر پر لیکچر ریکارڈ کر لیتے۔ ٹیپ ریکارڈر کافی مہنگے تھے۔ میرے ساتھ ایک جاپانی لڑکا بطور ریسرچ فیلو کام کر رہا تھا۔ وہ ایک بار جاپان گیا تو میری درخواست پر ایک بہت اچھا اور سستا ٹیپ ریکارڈر لے آیا۔

پہلی سہ ماہی کے امتحان میں اچھے نمبر آ گئے لیکن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک مضمون میں چند نمبروں سے گریڈ A ملنے سے رہ گیا تو مَیں نے اپنے کلاس فیلو کے پیپر کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا۔ دیکھا کہ دو سوالوں کے جواب میرے دوست کے جواب سے ملتے تھے لیکن اُس کو ان سوالوں کے نمبر دیے گئے تھے جبکہ مجھے زیرو نمبر دیے تھے۔ میں پروفیسر کے پاس دونوں پرچے لے کر گیا اور اس کو بتایا کہ میرے جواب ٹھیک تھے لیکن مجھے نمبر نہیں ملے، اگر مل جاتے تو مجھے گریڈ A مل جاتا۔ کہنے لگا میں نے جو نمبر دینے تھے وہ دے دیے ہیں۔ پھر وہ مجھے سختی سے ڈانٹنے لگا۔ بعد میں پتہ لگا کہ وہ انتہائی متعصّب ہے۔ اس زمانے میں کالے گورے میں بہت تعصّب پایا جاتا تھا۔ میڈیکل سکول میں 120 کی کلاس میں ایک بھی کالا سٹوڈنٹ نہ تھا۔

اسی طرح ایک اَور واقعہ ہوا۔ کیمسٹری کے پرچہ میں مَیں نے سلفونک کے پاکستان میں استعمال ہونے والے نام یعنی سلفیورک ایسڈ وغیرہ لکھے تو پروفیسر نے اس پر کاٹا لگا کر بہت سے نمبر کاٹ لیے اور نوٹ لکھا کہ اگر دوبارہ غلط سپیلنگ لکھے تو فیل کر دوں گا۔ اسی طرح کے اَور بھی عجیب و غریب واقعات ہوتے رہے۔

میرے کلاس فیلوز کو پاکستان کے متعلق کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ کہتے تھے تم لوگ جنگل میں رہتے ہو۔ بہت غریب ہو۔ تم لوگوں نے چین سے دوستی کی ہے اور چین پاکستان کو کھا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

شروع میں یونیورسٹی میں صرف دو تین پاکستانی تھے۔ لیکن دوسرے ممالک کے بہت سے طلبہ تھے۔ بیرونی ممالک کے طلبہ کا ایک انچارج ہوتا تھا جو اکثر غیر ملکی طلبہ کو مختلف فاؤنڈیشنز میں بھیج کر ان کا امریکن لوگوں سے تعارف کرواتا تھا۔ اکثر مجھے بھی بھیجتا تھا اور میری تلاوت کرنے کی ڈیوٹی بھی لگاتا تھا۔ غیر ملکی طلبہ کو امریکی عوام سے ملانے اور ہر دو کلچرز کا تعارف کرانے کے لیے ایک سکیم بھی جاری تھی جس میں ہر غیر ملکی طالب علم کو ایک امریکن خاندان سے ملا دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ امریکہ میں یہ آپ کا خاندان ہے۔ جو امریکن فیملی ہمارے لیے مختص ہوتی تھی وہ واقعۃً ہم سے ایسے ہی سلوک کرتے تھے جیسے ہم ان کے بچے ہیں۔ اکثر بہت فاصلے سے اپنے گھر سے ڈرائیو کر کے آتے، ہمیں اپنے گھر لے جاتے، کھانے کھلاتے اور پھر ڈرائیو کر کے ہمیں واپس چھوڑ کر جاتے۔

کچھ عرصے بعد ہسپتال میں چار پانچ پاکستانی ڈاکٹر ڈیوٹی کے لیے آ گئے۔ ان سب سے ہماری دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اکثر پاکستانی کھانا کھانے کے لیے ہمارے گھر آ جاتے تھے۔ میری بیوی اُن کے لیے ساگ بناتی تھی جو کہ ان کو بہت پسند آتا تھا۔ ان ڈاکٹروں میں ایک احمدی ڈاکٹر عابد علی بھی تھے۔ ہماری بیویاں بھی دوست بن گئیں اور اکثر آنا جانا رہتا۔

میرے پروفیسر کو ایک بڑی ریسرچ گرانٹ ملی جس کے لیے ایک نئے ریسرچ پراجیکٹ پر اس نے کام کرنا تھا۔ اس ریسرچ کے لیے اُس نے ایک ایم ایس سی اور ریسرچ کا تجربہ رکھنے والا ہائر کرنا تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا ریسرچ کے سلسلے میں اس پر بہت اچھا اثر تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ پاکستان سے کسی ایم ایس سی ریسرچ کا تجربہ رکھنے والے اور ایک پروفیسر کا انتظام کر دوں

چنانچہ میں نے پاکستان میں اپنی لیب کے ڈائریکٹر اور ایک دوسرے ریسرچر کا نام تجویز کیا تو پروفیسر نے ان دونوں سے رابطہ کیا اور ان کی قابلیت اور تجربہ کو مدنظر رکھتے ہوئے آفر دے دی۔ جلد ہی وہ دونوں امریکہ آ گئے اور ہماری لیب میں ریسرچ کا کام کرنے لگے۔

1964ء میں مجھے University of Louisville, Kentucky میں پی ایچ ڈی کے لیے Fulbright-hays award اور ٹریول گرانٹ سے نوازا گیا تھا۔ 1968ء میں اعزاز کے ساتھ مَیں نے پی ایچ ڈی مکمل کی۔ پانچ سو طلبہ میں مَیں اکیلا پاکستانی تھا۔ پھر پاکستان واپس آ کر پشاور کی کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹری میں سینئر ریسرچ آفیسر متعیّن ہو گیا۔ 1972ء میں مَیں شیراز (ایران) کی ایک یونیورسٹی سے منسلک ہو گیا جہاں اعلیٰ کارکردگی کے نتیجے میں بین الاقوامی کینسر ریسرچ ٹیکنالوجی ٹرانسفر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ 1978ء میں مَیں امریکہ آ گیا اور یونیورسٹی آف لوئس ول میں بطور وزٹنگ سائنٹسٹ تقرری ہوئی۔ بعد ازاں کیلیفورنیا اور ٹینیسی کی یونیورسٹیز میں بھی بطور ریسرچ سائنٹسٹ کام کرنے کا موقع ملا۔ 1982ء میں نیوجرسی میں یونیورسٹی آف میڈیسن اینڈ ڈینٹسٹری میں کینسر پر ریسرچ کی اور اسی موضوع پر تدریسی فرائض بھی سرانجام دیے۔ یہاں سے 1993ء میں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر ریٹائر ہوا۔ اس تعلیمی و تدریسی سفر کے دوران میرے 65 ریسرچ پیپرز شائع ہوئے۔

امریکہ میں میرے زمانۂ طالبعلمی کے دوران میں ہی سیاہ فام اور سفید فام کے درمیان تصادم کافی بڑھ چکا تھا۔ صدر جے ایف کینیڈی (J. F. Kenedy) کے بھائی بوبی کینیڈی (Boby Kenedy) جو کہ الیکشن لڑ رہے تھے کو کسی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اسی طرح سیاہ فام لیڈر مارٹن لوتھر کنگ کو بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا جس پر سیاہ فام لوگوں نے امریکہ کے کئی شہروں میں گھروں کو آگ لگا کر جلا دیا۔

پوسٹ ڈاکٹری فیلوشپ کے طور پر کام کرنے کی وجہ سے مَیں ایک زبان کا کورس بغیر فیس کے کرسکتا تھا۔ میں نے رشین زبان کا کورس کرلیا۔ اس سے قبل جرمن زبان کا کورس کر چکا تھا کیونکہ پی ایچ ڈی کرنے کے لیے دو غیر ملکی زبانیں سیکھنا لازمی تھا۔ ایک اردو اور دوسری جرمن میری غیر ملکی زبانیں تھیں۔ لیکن رشین اور جرمن زبانیں استعمال نہ کر پانے کی وجہ سے زیادہ تر بھول گیا۔

جب میں واپس کراچی آ گیا تو میری ٹرانسفر پشاور میں کی جانے لگی۔ بڑی پریشانی ہوئی اور ٹرانسفر رکوانے کی کوشش کرنے لگا۔ انہی دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کراچی تشریف لائے اور شیخ رحمت اللہ صاحب امیر جماعت کراچی کے گھر میں ٹھہرے۔ نمازیں بھی وہاں ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ اپنی ٹرانسفر کروانے کی مَیں پوری کوشش کر چکا تھا لیکن ناکامی ہی ناکامی تھی۔ ایک روز مغرب عشاء کی نمازیں حضور کے پیچھے پڑھنے گیا تو خیال آیا کہ حضور سے اپنی صورت حال بیان کر کے دعا کی درخواست کروں۔ چنانچہ جب حضورؒ نمازیں پڑھا کر کمرے کی طرف جا رہے تھے تو مَیں بھی جلدی سے پیچھے چل پڑا۔ مکرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب حضورؒ کے پیچھے تھے۔ اُن سے میں نے کہا کہ میں نے حضور سے دعا کی درخواست کرنی ہے۔ حضورؒ شاید سن

گھروں کو امن کا گہوارہ بنانے کا ایک اصول

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

’’کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت یا وصف اسے پسند بھی تو ہے۔‘‘

(صحیح مسلم)

رہے تھے، رُک گئے۔ میں نے السلام علیکم کے بعد حضورؒ سے اپنی صورتحال بیان کی تو حضورؒ نے صرف یہ فرمایا: پشاور چلے جاؤ۔ بس اتنا کہہ کر حضور کمرے میں چلے گئے۔ چنانچہ مَیں دل کڑا کر کے پشاور جانے کا پروگرام بنانے لگا۔

میرے ساتھ دو اَور لوگوں کی کراچی سے پشاور ٹرانسفر کی گئی تھی اور وہ دونوں بھی پشاور جانا نہیں چاہتے تھے۔ دراصل پشاور لیب میں بہت کم پی ایچ ڈی تھے جبکہ لیب کافی بڑی تھی اور چیئرمین پشاور لیب کو بڑھانا چاہتا تھا۔ جب ہم تینوں نے پشاور جانے سے انکار کر دیا تو چیئرمین نے پیشکش کی کہ پشاور میں رہنے کے لیے بغیر کرایہ کے مکان دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا کہ وہاں 3 مکان ہیں ان میں سے ایک مکان بہت اچھا ہے جو سب سے پہلے جائے گا وہ مکان اس کو دے دیا جائے گا۔ میں نے سوچا جب پشاور جانا ہی ہے اور حضورؒ نے بھی فرما دیا ہے تو کیوں نہ پہلے چلا جاؤں۔ اس طرح اچھا مکان رہنے کو مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ لیکن ایک مکان پہلے ہی کرایہ پر لے چکا تھا۔ پتا چلا کہ کوئی اَور شخص مکان کرایہ کے لیے ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ یہ مکان لینے کے لیے تیار ہو گیا اور جو رقم میں نے بطور بیعانہ مالک مکان کو دی ہوئی تھی وہ اُس نے مجھے دے دی۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے نقصان سے بچ گیا۔ اسی طرح جو فرنیچر میں نے خریدا تھا وہ بھی چند دیگر احمدیوں نے مجھ سے خرید لیا۔ الحمدللہ

پشاور کی لیب میں جب حاضر ہوا تو مجھے کہا گیا کہ مجھے کیمسٹری سیکشن میں لیب اور دو اسسٹنٹ ایم ایس سی مل جائیں گے اور مَیں ریسرچ کا کام شروع کر دوں اور ساتھ ہی مجھے فارماکالوجی سیکشن میں بھی کام کرنا ہوگا۔ چنانچہ میں نے کیمسٹری لیب میں کام شروع کر دیا اور دو ایم ایس سی لڑکیاں میرے ساتھ کام کرنے لگیں۔ اسی طرح فارماکالوجی ڈیپارٹمنٹ میں انچارج سے ملا۔ وہ اچھی طرح پیش آیا اور بتایا کہ آج کل کیا ریسرچ ہو رہی ہے۔ لیکن دراصل وہاں کوئی تحقیق نہیں ہو رہی تھی نہ ہی کوئی گرانٹ ملتی تھی۔ ریسرچ کے لیے جو کیمیکل وغیرہ درکار تھے اُن کے لیے رقم نہیں تھی۔ جو معمولی کیمیکل موجود تھے، ان کو استعمال کر کے ہی تھوڑی بہت ریسرچ کی جا رہی تھی یا پھر پودوں پر ریسرچ ہو رہی تھی۔ ریسرچ کے لیے اِدھر اُدھر سے اُگنے والی جڑی بوٹیاں اکٹھی کی جاتی تھیں۔ میں بھی صرف پودوں پر ہی تھوڑا بہت کام کر رہا تھا۔ سارا دن چائے کے دور چلتے اور گپ بازی ہوتی تھی۔ ان حالات میں اکثر ریسرچ کرنے والے بہت افسردہ اور مایوس ہو گئے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ ریسرچ کے لیے سہولتیں نہیں تھیں بلکہ

عملے کی تنخواہ بھی بہت تھوڑی تھی۔ مثلاً مجھے سات صد روپے ماہوار تنخواہ میں ٹیکس وغیرہ کاٹ کر پانچ صد روپے ملتے تھے اور ہمارے گھر کا کھانے پینے کا خرچہ اتنا تھا، مہینے کے آخری نصف ادھار پر کھانے کا سامان خریدا جاتا تھا۔ ان حالات میں میری تمام پڑھائی بھی ضائع ہو رہی تھی۔ چنانچہ مَیں نے انتہائی پریشانی کے بعد بیرون ملک واپس جانے کی کوشش شروع کر دی اور مختلف جگہ اپلائی کرنے لگا۔

مَیں یونین کا بھی ممبر تھا۔ جب نئے الیکشن ہوئے تو میرے ووٹ زیادہ آئے۔ اس طرح میں ایسوسی ایشن کا صدر بنا دیا گیا۔ ایسوسی ایشن کی میٹنگ ماہوار ہوتی تھی۔ لیکن حالات کی وجہ سے پشاور لیبارٹریز سے اسلام آباد یونیورسٹی جانے کی بھی ناکام کوشش کر چکا تھا۔ ہر طرف سے مایوسی نظر آ رہی تھی کہ پڑھنے کے لیے کی گئی سب محنت اور ٹریننگ ضائع جا رہی ہے۔

جب پی سی ایس آئی آر لیبارٹری پشاور میں کام کرتے ہوئے تین سال ہو گئے اور مشکل سے گزارہ ہوتا تھا۔ سخت بوریت تھی۔ وہاں میرے ساتھ ایک اَور شخص جس نے یوکے سے تعلیم حاصل کی تھی وہ انچارج تھا۔ اس کو اسلام آباد میں ایک اچھی جاب مل گئی تو وہ وہاں چلا گیا۔ اسی طرح تین چار لوگوں کا ایک اور گروپ تھا جو کہ میڈیسن بناتا تھا۔ اس گروپ کے انچارج کو ایران میں پہلوی یونیورسٹی میں ایک سال کے لیے ملازمت مل گئی تو وہ وہاں چلا گیا۔ لیکن میرا روزمرّہ معمول وہی رہا کہ معمولی سا کام کر کے پھر باقی تمام وقت دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ میں مصروف رہنا اور چائے پینا۔ لیبارٹری کی اس روٹین سے میری بوریت انتہا کی تھی۔ انہی دنوں ہمارے ادارے سے ایران جانے والے ڈاکٹر اکرام حسن نے اپنے سابقہ شعبے کے ایک پروفیسر کو خط لکھا کہ ایران میں اُن کے شعبے میں ایک اَور ریسرچ سائنٹسٹ کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمارا ساتھی کسی وجہ سے وہاں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر کوئی اور اس ملازمت میں دلچسپی رکھتا ہو تو درخواست دے دے۔ مَیں نے یہ سنتے ہی ایک دو روز میں اُس ملازمت کے لیے درخواست دے دی۔ دو تین ہفتے گزر گئے کوئی جواب نہ آیا۔ مایوسی ہونے لگی کہ پتہ نہیں میرا خط وہاں پہنچا بھی ہے کہ نہیں۔ اس پروفیسر تک میرے تعلیمی کوائف پہنچے کہ نہیں۔ دل کو تسلی دی کہ خدا تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ اگر یہ خط نہیں پہنچا تو اس میں بہتری ہوگی۔ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ ایک دن اچانک شیراز سے پروفیسر کا خط آیا۔ ڈرتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے خط کھولا۔ دل میں یہی خیال تھا کہ جواب نفی میں ہوگا اور جاب نہیں ملی ہوگی۔ جب خط پڑھا تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا کہ پروفیسر کو میری تعلیمی کوائف اور ریسرچ پسند آئی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے ڈیپارٹمنٹ میں بطور ایسوسی ایٹ ریسرچ آفیسر کام کروں۔ پودوں پر ریسرچ کے علاوہ مجھے میڈیکل سکول کے طالب علموں کو فارماکالوجی کے لیکچر بھی دینے ہوں گے۔

بہرحال ان حالات میں پی سی ایس آئی آر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ بہتر مستقبل بنانے کے لیے امریکہ میں جا کر ملازمت اور ریسرچ کرنا ہی ایک طریقہ بھی مجھے نظر آ تا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے امریکہ سے پاکستان آنے کے فوراً بعد امریکن ایمبیسی میں امریکہ میں امیگرینٹ ویزے کے

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خیانت نہ کرو، گلہ نہ کرو، اور ایک عورت دوسری عورت پر بہتان نہ لگاوے۔“ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 81)

”عیب مت لگاؤ۔ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو۔ ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔“ (روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 350)

لیے درخواست دے دی تھی۔ خیال تھا کہ اگر امیگریشن ہو گئی تو یہ ملازمت چھوڑ کر دوبارہ امریکہ چلا جاؤں گا۔

خلفائے کرام کی دُور رس نگاہ سے اللہ تعالیٰ نے میری بار بار راہنمائی فرمائی۔ اُن دنوں ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کی تو حضورؒ نے پوچھا کہ امریکہ میں تم ریسرچ کرتے رہے ہو اور اب یہاں بھی ریسرچ کر رہے ہو کونسی ایسی چیز ہے جو کہ ریسرچ کے لیے ضروری ہے اور یہاں نہیں ملتی۔ میں نے حضور کو بتایا کہ جب کیمیکل بنائے جاتے ہیں تو ان کا کیمیکل تجزیہ کرنا ہوتا ہے کہ یہ کیمیکل ٹھیک بن گئے ہیں یا نہیں۔ کیمیکل کا تجزیہ کرنے کے لیے یہ کیمیکل پاکستان سے باہر بھیجے جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے تفصیل بھیجو کہ یہ کیمیکل چیک والی مشین کتنے کی ہے اور کہاں سے ملے گی۔ چنانچہ مَیں نے پشاور جا کر حضور کو اس مشین کی تفصیلات بھجوا دی تھیں۔

خدا کے فضل سے خاکسار کو چار خلفائے کرام یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کے دوران مصافحہ کرنے جبکہ دو خلفائے کرام یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے معانقہ کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

بہرحال پھر امریکہ آ کر لمبا عرصہ یہاں اپنی فیلڈ میں کام کرنے کی توفیق ملی۔ اس دوران خدا تعالیٰ کے فضل سے امریکہ میں مجھے دینی خدمات کی توفیق بھی ملتی رہی۔ 1993ء سے 1999ء تک صدر انصار اللہ امریکہ رہا جس کے دوران ”رسالہ النحل“ کے متعدد شمارے شائع کیے جن میں ڈاکٹر عبدالسلام نمبر بھی شامل ہے۔ 1998ء تا 2007ء نیشنل سیکرٹری تعلیم کی حیثیت میں خدمت کی توفیق ملی۔ اپنی مقامی جماعت کے علاوہ احمدیہ مسلم میڈیکل ایسوسی ایشن اور احمدیہ مسلم سائنٹسٹ ایسوسی ایشن میں بھی خدمت کی توفیق ملی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس عاجز کی انگریزی تصنیف "Welcome to Ahmadiyyat" کو بہت پسند فرمایا اور دعاؤں سے نوازا۔ حضور انور کے ارشاد پر مَیں نے اپنی اس کتاب کے حقوق جماعت کو وقف کر دیے۔ 2004ء سے 2014ء تک مجلہ النور اور احمدیہ گزٹ کی ادارت کے فرائض ادا کرنے کی توفیق بھی پائی جن کے متعدد خاص ایڈیشن بھی شائع ہوئے۔ 2010ء میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ

نے مجھے جامعہ احمدیہ کینیڈا کے شاہد Viva امتحان بورڈ کا ممبر بھی مقرر فرما دیا۔ انگریزی رسالہ ’’دی مسلم سن رائز‘‘ کے ادارتی بورڈ کا رکن بھی رہا۔ چھ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ 1985ء میں برطانیہ میں انٹرنیشنل جلسہ سالانہ شروع ہونے پر ہر سال اس میں شامل ہونے اور حضور انور سے ملاقات کے ساتھ ساتھ تصویر بنوانے کا اعزاز 2017ء تک ملتا رہا۔

......☆......☆......☆......

خاکسار (مضمون نگار) عرض کرتا ہے کہ میرا مشاہدہ یہی ہے کہ محترم ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب جلسہ سالانہ کے ایام سے بھرپور استفادہ کی کوشش کرنے اور تمام پروگراموں میں شامل ہونے کی کوشش کرتے۔ آخری سال جب آپ جلسہ سالانہ برطانیہ میں شامل ہونے کے لیے امریکہ سے آئے تو آپ کا قیام میرے ہاں تھا۔ جلسہ سالانہ کے آخری روز صبح کے وقت آپ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ فوری طور پر ایمبولینس منگوائی گئی اور ہسپتال میں داخل کروایا گیا لیکن جب وہاں کافی دیر تک ڈاکٹر معائنہ کے لیے نہ آئے تو آپ کہنے لگے کہ جلسہ سالانہ کا پروگرام شروع ہونے والا ہے اور اب میری طبیعت بھی کچھ بہتر ہے اس لیے مَیں تو عالمی بیعت اور اختتامی خطاب سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ چنانچہ آپ نے ڈاکٹر سے کہا کہ مَیں اپنی ذمہ داری پر ڈسچارج ہونا چاہتا ہوں۔ پھر اجازت ملنے پر آپ ہمارے ساتھ ہی حدیقۃ المہدی تشریف لائے، عالمی بیعت اور اختتامی خطاب میں شرکت کی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بعد میں طبیعت بھی مزید بہتر ہوگئی۔

آپ کو سالانہ جلسوں میں شمولیت کا از حد شوق تھا۔ 2017ء میں امریکہ میں ڈاکٹروں نے آپ کو گردوں کی تکلیف کے بعد ڈائیلائسز پر جانے کا مشورہ دیا تھا۔ قبل ازیں آپ کی بیگم محترمہ امۃ اللطیف زیروی صاحبہ 2009ء سے ڈائیلائسز پر تھیں۔ لیکن پھر ڈاکٹر نے آپ کی یہ درخواست مان لی کہ ڈائیلائسز جلسہ سالانہ UK میں شمولیت کے بعد یعنی اگست 2017 سے شروع کیے جائیں۔ چنانچہ آپ آخری بار 2017ء میں جلسہ سالانہ UK میں شامل ہوئے۔ امریکہ میں آپ کی رہائش نیوجرسی میں تھی لیکن جلسہ سالانہ امریکہ میں شمولیت کی غرض سے جلسہ سالانہ کے ایام میں اپنے ڈائیلائسز کو جلسہ سالانہ کے قریبی سنٹر میں منتقل کروا لیتے تھے۔ اس طرح آپ کو آخر تک جلسہ سالانہ امریکہ میں شمولیت کی توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی رہی۔ 2001ء میں آپ اپنے بیٹے ناصر محمود زیروی کے ساتھ واشنگٹن میں مسجد بیت الرحمٰن کے قریب نئے مکان میں شفٹ ہوگئے۔ خاکسار ان کی عیادت کے لیے گیا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ ربوہ کی پرانی یادوں کے علاوہ اکثر لنڈن جلسہ میں شمولیت کی باتیں کرتے جب ہمارے اباجان بھی جلسہ سالانہ میں شمولیت کی غرض سے ربوہ سے لندن آیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی تحریر کردہ کتابیں بھی دستخط کر کے خاکسار کو تحفہ دیں۔

آپ نے بڑی ہمت اور جواں مردی سے اپنی بیماری کا مقابلہ کیا۔ اپنی اولاد کی دینی اور دنیوی ترقیات اور اپنے خاندان پر اللہ تعالیٰ کے افضال کا ذکر اکثر کرتے تھے۔ حضور انور کو دعا کے لیے خطوط لکھنے اور MTA کے پروگرام دیکھنے کے علاوہ حضور انور کے خطبات جمعہ سننے میں باقاعدہ تھے۔ جب حضور انور کی

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس انصار اللہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع 2021ء سے خطاب کرتے ہوئے انصار کو توجہ دلائی کہ

’’دین کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیں تعلق باللہ میں بھی ترقی کرنی ہوگی، تقویٰ میں بھی ترقی کرنی ہوگی، اپنے علم کو بڑھانے کی کوشش بھی کرنی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر پوری طرح کاربند رہنے کے لیے بھی کوشش کرنی ہوگی۔‘‘

طرف سے دعائیہ خط کا جواب آتا تو کئی دن تک انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے۔ 4 جنوری 2023ء بروز بدھ صبح ناشتہ کرنے کے بعد اچانک طبیعت خراب ہوئی تو لیٹ گئے اور کچھ ہی دیر میں وفات ہوگئی۔ وفات کے وقت عمر 83 سال تھی۔ خاکسار بھی امریکہ گیا اور 6 جنوری بروز جمعہ کو مسجد بیت الرحمٰن میں نماز جنازہ میں شامل ہوا۔ ہماری بھابھی جان امۃ اللطیف صاحبہ بھی جنازے میں شامل تھیں اور بذریعہ وٹس ایپ رشتہ داروں سے کافی دیر باتیں بھی کرتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزار ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام انتظامات مکمل کر دیے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ گھر پہنچنے کے کچھ دیر بعد ان کی طبیعت خراب ہوئی اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی ان کی بھی 6 جنوری بروز جمعہ 78 سال کی عمر میں وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ بھی موصیہ تھیں۔ ہفتے کو مسجد بیت الرحمٰن میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور اگلے روز تدفین عمل میں آئی۔ آپ ملک سیف الرحمٰن صاحب کی بیٹی تھیں۔ قادیان میں پیدا ہوئیں۔ بڑا علمی ذوق رکھنے والی پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ ایم ایس سی کیا ہوا تھا۔ جماعتی خدمات کی بھی ان کو توفیق ملی۔ آپ کی والدہ مکرمہ امۃ الرشید شوکت صاحبہ رسالہ مصباح ربوہ کی مدیر رہی ہیں۔ آپ نے تین بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 20 جنوری 2023ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں دونوں مرحومین کا ذکر خیر فرمایا اور نماز جنازہ غائب پڑھائی۔ حضور انور نے یہ بھی فرمایا کہ امۃ اللطیف صاحبہ کے بھائی ملک مجیب الرحمٰن صاحب اپنی بہن اور بہنوئی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بہت محبت کرنے والا جوڑا تھا۔ انہوں نے بہت مشقتیں برداشت کیں لیکن کبھی کسی چیز کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی۔ میں نے انہیں کبھی کسی کے بارے میں کوئی منفی گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔ دونوں علم کے گہرے سمندر تھے۔ زندگی کے آخری لمحات تک ہر کسی کے ساتھ محبت کرنے والے، ان کی ضروریات کا خیال رکھنے اور بے پناہ پیار و محبت کرنے والے تھے۔ ماشاء اللہ بڑی بھرپور اور بہترین زندگی گزاری۔ اپنے معاشرہ اور ماحول میں دوسروں پر نہایت مثبت اثر ڈالنے والے اور اچھا اثر و رسوخ رکھنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الہامی دعا کا اعجاز

(انجینئر محمود مجیب اصغر سویڈن)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ’’پس میں نے اپنے دوستوں کے لیے یہ اصول کر رکھا ہے کہ خواہ وہ یاد دلائیں کوئی امر خطر پیش کریں یا نہ کریں ان کی دینی اور دنیوی بھلائی کے لیے دعا کی جاتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 89)

یہی کیفیت آگے آپ کے خلفاء کی ہے۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم غریبوں کی جو دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ امام وقت کی دعاؤں کے ظل کے طور پر قبول ہوتی ہیں۔ اب میں تحدیث نعمت کے طور پر، نہ کہ خودنمائی کے طور پر، قبولیتِ دعا کے چند واقعات پیش کرتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ

1965ء کی جنگ اور ٹرین کا سفر

اس وقت مَیں ویسٹ پاکستان یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور کا سٹوڈنٹ تھا اور ہوسٹل میں مقیم تھا۔ 6 ستمبر 1965ء کو انڈیا اور پاکستان کی جنگ شروع ہوئی اور چند دن بعد ایک بم شیل ہوسٹل پر گرا جس سے بہت بڑا دھماکا ہوا اور ایک چوکیدار شہید ہو گیا۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ نے ہوسٹل خالی کروالیے۔ جو غیر ملکی عرب سٹوڈنٹ تھے انہیں لاہور کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں شفٹ کر دیا اور باقی طلباء کو اپنے گھروں کی طرف روانہ کر دیا۔

میرا گھر بھیرہ ضلع سرگودھا میں تھا اور مجھے ٹرین کا سفر درپیش تھا۔ چنانچہ بیگ لے کر میں لاہور ریلوے سٹیشن پہنچا۔ وہاں ٹکٹ خریدنے والوں کی قطار اتنی طویل تھی کہ ٹکٹ خریدنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دی۔ چونکہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور ریلوے سٹیشن کے عقب میں واقع ہے اس لیے مَیں سٹیشن کے پیچھے سے غیر معروف راستوں سے واقف تھا۔ مَیں اُن راستوں سے ہوتا ہوا پلیٹ فارم نمبر 2 پر پہنچ گیا۔ میری جیب میں ایک سو روپے کا نوٹ تھا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ ٹرین میں جرمانہ ادا کر کے ٹکٹ بنوا لوں گا۔

اتنے میں ٹرین آ گئی اور میں اس میں سوار ہو گیا۔ اسی ڈبے میں میرا ایک دوست مل گیا جس کے پاس ٹکٹ تھا۔ چند ہی لمحوں میں ٹرین شاہدرہ کے سٹیشن پر پہنچ گئی۔ میں نے اُس دوست کو 100 روپے کا نوٹ دیا اور کہا کہ وہ مجھے ٹکٹ خرید کرا دے۔ میں خود اس لیے نہیں جا سکتا تھا کہ میرے پاس ٹکٹ نہیں تھا اور بکنگ کی کھڑکی تک پہنچنے سے پہلے ہی میں پکڑا جاتا۔ میرا دوست اتر کر ٹکٹ لینے کے لیے بھاگا۔ جلد ہی ٹرین چل پڑی۔ اچانک وہاں ٹکٹ چیکر بھی آ گئے۔ اسے دیکھ کر میری حالت بڑی غیر ہو گئی۔ ٹکٹ بھی نہیں تھا اور جو سو روپے کا نوٹ تھا وہ دوست کو ٹکٹ خریدنے کے لیے دے دیا تھا۔ اس نازک صورتحال میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الہامی دعا جسے حضور نے اسم اعظم قرار دیا ہے بڑی اضطراری کیفیت میں کرنی شروع کر دی یعنی

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي

میں بڑے تذبذب کی حالت میں تھا۔ ٹکٹ بھی نہیں، جیب میں پیسہ بھی نہیں اور اُدھر دوست کا فکر کہ اس سے کہیں ٹرین miss نہ ہو گئی ہو اور ان حالات میں میرا کیا بنے گا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مجھ سے پہلے جو مسافر بیٹھے تھے اور وہ بھی سٹوڈنٹ تھے وہ ٹکٹ چیکر سے الجھ پڑے۔ غالباً وہ جرمانہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ اِدھر میں دعا کر رہا تھا اور اُدھر ان کی بحث لمبی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ اگلا سٹیشن غالباً وزیر آباد آ گیا جہاں ٹرین رکی لیکن ابھی چیکرز کے ساتھ ان کی بحث جاری تھی۔

مَیں قربان جاؤں اس زندہ خدا پر جو دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ اس دوران میں میرا دوست جو شاہدرہ ٹکٹ لینے اترا تھا پسینہ سے شرابور، چہرے کا رنگ اترا ہوا، سخت پریشانی کی حالت میں نمودار ہوا اور اس نے بتایا کہ میرا ٹکٹ خریدنے تک ٹرین شاہدرہ سے چل پڑی تھی۔ تب وہ تیز بھاگ کر چلتی ٹرین کے آخری ڈبے میں سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے مجھے ٹکٹ اور 100 روپے میں بچی ہوئی رقم تھمائی تو میری جان میں جان آئی۔ میں اس دوست کا شکر گزار ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے میرے پاس وہ الفاظ نہیں جس نے حضرت مسیح موعودؑ کی الہامی دعا قبول کر کے یہ معجزہ دکھایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ چنانچہ میں اس ٹرین پر لالہ موسیٰ جنکشن تک گیا۔ پھر ٹرینیں بدل کر بھیرہ اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔

تجھے دنیا میں ہے کس نے پکارا
کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا
تو پھر ہے کس قدر اس کو سہارا
کہ جس کا تُو ہی ہے سب سے پیارا

سروے کیمپ اور دریائے سوات میں ڈوب کر بچ جانا

سول انجینئرنگ کی ڈگری کے لیے ایک ماہ کا سروے کیمپ اٹینڈ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں نے 1966ء میں سروے کیمپ اٹینڈ کیا جو وادیٔ سوات میں جولائی کے مہینے میں ہوا۔ ہماری رہائش اورنگزیب ہوسٹل سیدو شریف میں تھی

اور مرگزار کی پہاڑی پر ہم سروے کرنے جاتے تھے۔ یونیورسٹی کی طرف سے دو بسیں ہمارے ساتھ تھیں۔ اتوار کو چھٹی والے دن بسیں سیر کے لیے لے جاتی تھیں۔ ایک اتوار کو ہم لوگ بحرین گئے جہاں دریائے سوات کی دو شاخیں ملتی ہیں اور بڑا خوبصورت منظر پیش کرتی ہیں۔ پانچ پانچ سٹوڈنٹس کا سروے گروپ ہوتا ہے اور سب آپس میں بے تکلف ہوتے ہیں۔ دریا سے تقریباً ایک منزل اوپر بازار ہے۔ اور سٹوڈنٹ نیچے دریا کے ساحل پر اور دریا کے اندر جمپ کر کے بڑے پتھر پر فوٹوگرافی کرتے ہیں۔ ہمارا گروپ بھی فوٹوگرافی کر رہا تھا اور اتفاق سے میں گروپ لیڈر تھا۔ جب فوٹو لینے کی میری باری آئی تو مَیں پتھر سے پھسل کر دریا میں جا گرا۔ پانی کی رفتار وہاں اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہاں گرنے والا اکثر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ جب مَیں گرا تو اوپر سارا بازار اکٹھا ہو گیا۔ میرے گروپ کے ساتھی پکار پکار کر مجھے تسلیاں دے رہے تھے۔ اس کیفیت میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہی دعا جو اسم اعظم کہلاتی ہے کرنے کی توفیق دی

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ

اور اس دعا کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے منہ سے نکال لیا۔ لوگ حیران تھے اور سٹوڈنٹ اور پروفیسر جو ہمارے ساتھ نگرانی کے لیے گئے تھے سب بہت فکر مند تھے۔ سب میرے پاس جمع ہو گئے اور مجھے مبارک دینے لگے اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ اوپر بازار سے لوگ بھی مجھے دیکھنے کے لیے نیچے آ گئے اور مبارک دینے لگے۔ وہ وہاں کے مقامی لوکل لوگ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ تو معجزہ ہوا ہے ورنہ ہر سال کوئی نہ کوئی یہاں ڈوب کر مر جاتا ہے۔

کلاس کو آگے لے جانے کا پروگرام کینسل کر دیا گیا اور ہم واپس سیدو شریف اپنے ہوسٹل میں آ گئے۔ کئی دن ان سب کا موضوع سخن یہ عاجز رہا۔

ایک قاتلانہ حملہ میں اسم اعظم کی دعا سے بچ جانا

ریٹائرمنٹ سے قبل غازی بروتھا ہائیڈرو پاور پراجیکٹ میرا آخری پراجیکٹ تھا۔ واپڈا کالونی میں سینئر ہوسٹل میں میری رہائش تھی جو اٹک شہر سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے تحت وہاں امارت ضلع اٹک کی ذمہ داری میرے کمزور کندھوں پر آ پڑی۔ ایک رات مَیں اسلام آباد سے بذریعہ کار آ رہا تھا جسے ڈرائیور چلا رہا تھا۔ اٹک موڑ سے آگے تک zig zag سڑک کافی سنسان رہتی ہے۔ جب ہم بروٹھا سے پانچ سات کلومیٹر پہلے پہنچے جہاں S Curve بنتا ہے تو وہاں ڈاکوؤں نے درختوں کے تنے سڑک پر پھینک کر راستہ بند کیا ہوا تھا۔ وہ ہماری کار پر حملہ آور ہوئے تو اس خطرناک اور نازک صورتحال میں جبکہ بچنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی میں نے رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ کی دعا رقّت سے اور زور زور سے کرنی شروع کر دی اور ڈرائیور کو کہا وہ Reverse میں کار واپس لے جائے۔ ڈاکو چاہتے تو ٹائر پر فائر کر سکتے تھے لیکن ان کی تدبیر کو خدا نے روک دیا اور نہایت مشکل S Curves سے کار نکال کر ہم ڈاکوؤں کی range سے باہر نکل گئے اور گاڑی سیدھی کر کے اٹک چیک پوسٹ تک پہنچ گئے جہاں پولیس کو رپورٹ کی۔ پولیس چیک پوسٹ پر موجود پولیس افسر نے DSP کو فون کیا اور چند ہی لمحوں کے بعد DSP صاحب بھی پہنچ گئے۔ مَیں مسلسل اسم اعظم والی دعا کرتا رہا۔ جب ہم سب موقع پر پہنچے تو ڈاکو بھاگ چکے تھے۔ پولیس نے لائٹ بم سے سڑک کے دونوں طرف جائزہ لیا لیکن انہیں کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ اس پر پولیس نے ایک پولیس وین میں سڑک سے درخت اٹھا کر رکھے اور روانہ ہو گئے اور ڈی ایس پی صاحب مجھے باحفاظت واپڈا کالونی میں میری رہائش پر چھوڑ آئے۔ میں نے شکرانے کے نوافل پڑھے اور فوراً حضور انور کو خط لکھا۔ چند دن بعد حضور انور کا جواب آیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قاتلانہ حملہ سے بچا لیا۔

اس واقعہ کے اگلے روز یہ خبر سارے پراجیکٹ پر پھیل گئی اور پراجیکٹ کی انتظامیہ نے پندرہ دن کا نوٹس دے کر مجھے فارغ کر دیا۔ مَیں سامان لے کر ربوہ پہنچا ہی تھا کہ ہیڈ آفس سے مجھے فون آیا کہ منگلا ڈیم raising پراجیکٹ پر چلا جاؤں۔ چنانچہ وہاں سے بھی مَیں ہر weekend پر اٹک جاتا رہا۔

اسم اعظم کی دعا کا پس منظر

6 دسمبر 1902ء:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”رات کو میری ایسی حالت تھی کہ اگر خدا کی وحی نہ ہوتی تو میرے اس خیال میں کوئی شک نہ تھا کہ میرا آخری وقت ہے اسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر ہوں اور وہ کوچہ سر بستہ سا معلوم ہوتا ہے کہ تین بھینسے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے میری طرف آیا تو میں نے اسے مار کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرا آیا تو اسے بھی ہٹا دیا۔ پھر تیسرا آیا اور وہ ایسا پرزور معلوم ہوتا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ اب اس سے مفر نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ مجھے اندیشہ ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک طرف پھیر لیا۔ میں نے اس وقت یہ غنیمت سمجھا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر نکل جاؤں۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے گا مگر میں نے پھر نہ دیکھا۔ اس وقت خواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پر مندرجہ ذیل دعا القا کی گئی:

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ

اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ اور یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھے گا ہر ایک آفت سے اسے نجات ہوگی۔“

(البدر 12 دسمبر 1902ء، الحکم 10 دسمبر 1902ء تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 364, 363)

اردو ترجمہ: اے میرے خدا ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے خدا شریر کی شرارت سے مجھے نگہ رکھ اور میری مدد کر اور مجھ پر رحم کر۔

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 556)

فرمایا: ”یہ دعا ایک حرز اور تعویذ ہے۔۔۔۔ میں اس دعا کو اب التزاماً ہر نماز میں پڑھا کروں گا۔ آپ بھی پڑھا کریں۔

فرمایا: اس میں بڑی بات جو سچی توحید سکھاتی، یعنی اللہ جلشانہ کو ہی ضار اور نافع یقین دلاتی ہے، یہ ہے کہ اس میں سکھایا گیا ہے کہ ہر شے تیری خادم ہے۔ یعنی کوئی موذی اور مضر شے تیرے ارادے اور اذن کے بغیر کچھ نقصان نہیں کر سکتی۔“ (الحکم 10 دسمبر 1902ء تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 363 حاشیہ)



دیارِ حبیب ﷺ میں

(بشیر احمد رفیق خان)

مجھے اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ اپنی بیوی سلیمہ کے ساتھ دیارِ حبیب جانے، عمرہ کرنے اور مدینہ میں روضۂ اقدس پر حاضر ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہم دونوں مرتبہ دسمبر میں اس سفر پر گئے۔ لندن سے جہاز پر سوار ہوئے تو دل کی عجیب کیفیت تھی۔ زندگی بھر جس زبردست خواہش کو دل میں پالتا رہا وہ اب خدا نے پوری کرنے کے سامان پیدا کر دیے تھے۔ صبح سویرے جدہ کے بین الاقوامی ایئر پورٹ پر اترے۔ سرزمین حجاز کی مقدس اور مطہر زمین پر قدم رکھا تو دل کی کیفیت غیر ہوگئی۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، پروان چڑھے اور نبوت کی خلعت آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے پہنائی۔ آپؐ نے نبوت کے 23 سالوں میں دنیا بھر میں ایک عظیم تغیر، زلزلہ اور انقلاب برپا کر دیے۔ اس انقلاب نے نہ صرف نجد وحجاز بلکہ ساری دنیا کی ہی کایا پلٹ دی۔ آپ کی تعلیمات نے تاریک وتار دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا اور انسانیت کی عظمت کو دنیا میں قائم کر دیا۔

یہی وہ سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر بنا اور جسے خود خدا تعالیٰ نے بیت العتیق یعنی بہت پرانا گھر قرار دیا ہے اور جس کی زیارت کو متموّل مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے، جسے ہم حج کے نام سے جانتے ہیں۔

جدّہ ایئر پورٹ سے ہم دوستوں کی معیت میں روانہ ہوئے۔ شام کا وقت تھا۔ سارا جدّہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ جدّہ ایک خوبصورت، ماڈرن اور پُرفضا شہر ہے۔ فلک بوس عمارات، کشادہ سڑکیں اور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں سے لمبی Marine Drive جدّہ کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے ہیں۔ شہر میں متعدد جگہ بڑے خوبصورت شاپنگ مالز بھی ہیں۔

اگلے دن باہمی مشورہ سے طے کیا کہ ہم عمرہ کے لیے عصر کے بعد جدّہ سے روانہ ہوں تا عمرہ نسبتاً ٹھنڈے وقت میں کر لیا جائے۔ عصر کی نماز پڑھ کر ہم نے غسل کیے اور احرام باندھ لیے۔ مکہ معظّمہ جدہ سے 45 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ فاصلہ اونٹوں پر اور پیدل طے کیا جاتا تھا اور مسافروں کو مکہ پہنچنے تک کم از کم دو دن درکار ہوتے تھے لیکن اب کشادہ ایئر کنڈیشنڈ خوبصورت موٹر کاروں کی بدولت یہ فاصلہ 45 منٹ میں طے ہو جاتا ہے۔ قافلہ روانہ ہوا تو ہم نے اونچی آوازوں سے تلبیہ یعنی اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ باآواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔

جلد ہی ہمارا قافلہ حرم شریف سے چند قدم کے فاصلہ پر واقع Kaki Hotel کے سامنے رک گیا۔ ہمارے قیام کا اسی ہوٹل میں انتظام تھا۔ اس ہوٹل میں چھ منزلہ لفٹ کی بھی سہولت موجود ہے۔ ہوٹل ایئر کنڈیشنڈ ہے اور ہر لحاظ سے آرام دہ ہے۔ سامان ہوٹل میں رکھا، دوبارہ غسل کیے اور احرام باندھ کر جانبِ حرم روانہ ہوئے۔ شام ہو چلی تھی اور حرم روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ رات میں دن کا ساسماں بندھا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ہم روشنیوں کے ایک وسیع سمندر کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ دل شوق سے دھڑک رہے تھے اور زبان پر درود وسلام کا ورد تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی جو دعا کی جائے وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ میں بھی دل میں دعاؤں کا ایک ذخیرہ لیے حاضر ہو رہا تھا، سمجھ میں نہ آتا تھا کیا مانگوں اور کیا نہ مانگوں۔ مَیں تو ہر دم محتاج، بے بس اور تہی دامن ہوں جسے قدم قدم پر مولیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔ سوچوں میں غلطاں جب خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی تو بدن پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی۔ دل ابل پڑا اور آنکھیں پانی برسانے لگیں۔ ایک عجیب سرور کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس وقت مجھے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح اوّل کا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ جب ان کی خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی تو انہوں نے اپنے مولیٰ کریم سے دعا کی کہ یا اللہ! میں تو ہر دم تیری مدد کا محتاج ہوں اور میرا دل دعاؤں کا ایک خزانہ لیے ہوئے ہے۔ اس لیے میں یہ دعا کرتا ہوں کہ میں جب بھی تجھ سے کوئی دعا کروں تو اسے قبول فرما کہ مَیں فقیر ہوں اور تو غنی ہے۔

چنانچہ میں نے یہی دعا کی اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ دعا قبول ہوگی۔ حرم شریف کے پانچ دروازے ہیں، جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ ہمارا ہوٹل باب عبدالعزیز کی سمت میں تھا اس لیے ہم اسی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ دعائیں پڑھتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے ہم خانہ کعبہ کے قریب جا پہنچے۔ قدموں کے نیچے نہایت آرام دہ، خوبصورت اور ٹھنڈا سنگ مرمر کا فرش تھا جو گرمی کی شدّت میں بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ خانہ کعبہ کے اردگرد کنکریوں کا فرش ہوتا تھا جو گرمی میں انگارے بن جاتے تھے اور اکثر طواف کرنے والوں کے پاؤں زخمی ہو جایا کرتے تھے۔

خانہ کعبہ کے گرد طواف کا منظر بہت رقّت آمیز تھا۔ ہر آنکھ پُرنم تھی۔ درود وسلام کی آوازیں مسحور کن موسیقی کی طرح کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ ہم مطاف میں داخل ہو گئے اور حجرِ اسود والے کونے پر پہنچے۔ حجرِ اسود کے بالمقابل ایک سبز رنگ کی لکیر ڈالی گئی ہے جہاں سے طواف کا آغاز ہوتا ہے۔ دن ہو یا رات ہو، چوبیس گھنٹے چار پانچ سو افراد کا ہجوم مستقلاً طواف میں رہتا ہے۔ شام

اور رات کو یہ ہجوم بڑھ جاتا ہے۔

ہم بھی حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہاتھ کے اشارے سے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ ہجوم کی وجہ سے حجرِ اسود کو بوسہ دینا ممکن نہ تھا۔ اختتامِ طواف پر برادرم ملک بشیر الدین صاحب نے کہا کہ آئیں میں آپ کو حجرِ اسود کا بوسہ کراتا ہوں۔ ملک صاحب ایک مضبوط جسم کے انسان ہیں۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر حجرِ اسود کے پاس لے گئے اور میرا سر حجرِ اسود کے خول کے اندر کر دیا اور خود دونوں ہاتھوں سے میرے سر کے اوپر حلقہ بنائے رکھا۔ میں نے جی بھر کر بوسہ لیا اور خدا کا شکر ادا کیا اور اس بات پر دل خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا کہ آج دنیا میں اَور کوئی چیز ایسی موجود نہیں جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک نے چھوا ہو۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ حجرِ اسود کو آپؐ نے بار ہا چوما تھا اور اس پر اپنے لب رکھنا گویا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک کو چومنے کے مترادف تھا۔ اس خیال نے میرے دل میں ایک خاص سرور پیدا کیا۔

طواف میں خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔ اس دوران میں عربی اور اپنی زبان میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ ملک بشیر الدین صاحب یہاں بھی ہمارے لیے ایک نعمت ثابت ہوئے۔ اُنہیں عربی زبان میں ہر چکر کی دعا زبانی یاد تھی اس لیے وہ اونچی آواز میں دعا پڑھتے جاتے تھے اور ہم ان کے ساتھ دہراتے چلے جاتے تھے۔ طواف کے وقت قبولیتِ دعا کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ ہم نے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے لیے، اپنے والدین، دوست احباب اور اُمّتِ مسلمہ کے لیے خاص دعائیں کیں۔ دورانِ طواف میں بعض رقّت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ ایک افریقن خاتون جو چلنے پھرنے سے معذور تھیں زمین پر رینگ رینگ کر طواف کر رہی تھیں۔ یہ منظر بہت غمناک تھا۔

سات چکر لگانے سے طواف مکمل ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد مقامِ ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نفل پڑھنا، سنتِ نبوی میں شامل ہے۔ ہم نے بھی دو رکعت نفل پڑھے اور پھر سنت نبویؐ کے مطابق پیٹ بھر کر زمزم کا پانی پیا۔

زمزم کے پانی سے خوب سیر ہو جانے کے بعد تازہ دم ہو کر سعی کے لیے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کی طرف چل پڑے۔ حجرِ اسود کے بالمقابل کچھ فاصلے پر باب الصفا ہے جہاں سے داخل ہو کر صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگانے ضروری ہیں۔ پہلا چکر صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت حاجیوں کے پاؤں زخمی ہو جایا کرتے تھے کیونکہ راستہ کنکریوں سے گرم ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اب ایک تو اس پر چھت ڈال کر راستہ کو ایئر کنڈیشنڈ کر دیا گیا ہے، دوسرے فرش ٹھنڈے سنگِ مرمر سے بنا دیا گیا ہے۔

سعی کے دوران بھی خوب دعائیں کرنے کے مواقع ملے۔ ہم نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ جو بھی خدا سے مانگنا تھا، مانگ لیا۔ میرے دوسرے ساتھیوں کی حالت بھی شدید رقّت سے غیر تھی۔ سعی کے اختتام پر ہم نے سنتِ نبویؐ کے مطابق بال کاٹے اور یوں عمرہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اختتام پذیر ہوا۔ اگلے چند دن جب تک ہم مکہ میں مقیم رہے اور ہمیں مزید عمروں کی بھی توفیق ملی۔

اس عمرہ کے دوران میں اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہم پر یہ ہوا کہ دمام سے برادرم شاہد احمد بنگالی صاحب بھی عمرہ کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اُن دنوں وہ دمام میں ہی ایک فیکٹری کے مینیجر تھے۔ مخلص احمدی ہیں، کئی بار عمرہ اور حج کر چکے ہیں۔ عربی زبان بھی خوب بولتے ہیں۔ ان کا وجود ہمارے لیے فرشتۂ رحمت سے کم نہ تھا۔ وہ بھی ہمارے ہی ہوٹل میں مقیم تھے اور چونکہ کئی بار حج و عمرہ کی سعادت پا چکے تھے اس لیے ہمارے لیے نہ صرف بہترین گائیڈ ثابت ہوئے بلکہ ہماری خدمت اور مہمان نوازی میں بھی انہوں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ ان کی بیگم صاحبہ بھی ہماری خواتین کے ساتھ خوب گھل مل گئیں اور یوں ہم نے ان کی قیادت میں مکہ معظّمہ کے تمام تاریخی مقامات کی نہ صرف سیر کی بلکہ ان کی کمنٹری سے بھی محظوظ ہوتے رہے۔

غارِ حرا وہ مقدس مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی آخری شریعت کا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نزول ہوا۔ یہ مکہ سے قریباً پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ سلیمہ اور میرے لیے اس عمر میں غارِ حرا کی چڑھائی چڑھنا ممکن نہ تھا۔ کاش ہم نے جوانی میں عمرہ کیا ہوتا تو اس مقدّس مقام پر بھی ضرور جاتے۔ لیکن ڈاکٹر عبد الوحید صاحب اور ان کے بچوں نے شاہد صاحب کے ساتھ نمازِ فجر کے بعد غارِ حرا پر جانے کا پروگرام بنایا۔ شاہد صاحب پہلے بھی کئی بار غار میں عبادت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ پانی کی بوتلیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

مکہ معظّمہ میں جو مشہور زیارات ہیں ان میں مولد النبی ﷺ شامل ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ اب اس جگہ ایک مدرسہ قائم ہے۔ مکہ سے چند میل باہر غارِ ثور ہے جہاں آنحضور ﷺ نے ہجرت کے دوران میں تین راتیں گزاری تھیں۔ اس تک پہنچنے کا راستہ انتہائی دشوار گذار ہے۔ ہم نے اس کے دامن میں کھڑے ہو کر دعائیں کیں۔ میدانِ عرفات بھی گئے۔

مکہ میں چند دن قیام کے بعد ہم ٹیکسیوں میں مدینۃ النبی ﷺ روانہ ہو گئے۔ علی الصبح مکہ سے روانہ ہو کر ظہر کی نماز کے وقت مدینہ منورہ جا پہنچے۔ سارا راستہ یوں لگتا تھا گویا ہم پتھروں کے کھیتوں میں سے گذر رہے ہیں۔ سڑک نہایت کشادہ اور ٹیکسیاں آرام دہ و ایئر کنڈیشنڈ ہیں۔ مدینہ پہنچے تو برادرم عبد الرزاق صاحب کو اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے مسجد نبوی کے بالکل قریب ہمارے لیے ایک ہوٹل میں کمرے بک کروائے ہوئے تھے۔ ہم سیدھے وہاں پہنچے۔ عبد الرزاق صاحب پچھلے اٹھارہ سال سے مدینہ میں ہیں جہاں ان کا وسیع کاروبار ہے۔ اخلاص اور محبت کے پیکر ہیں۔ جاتے ہی کہنے لگے کہ آپ کی صرف رہائش ہوٹل میں ہوگی کھانا میں لایا کروں گا۔ میرے انتہائی اصرار کے باوجود بھی وہ اس بات پر رضامند نہ ہوئے کہ ہم کھانا ہوٹل سے کھایا کریں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

عبد الرزاق صاحب نے فرمایا آپ غسل کر لیں اور تھوڑی دیر آرام کریں، میں ایک دو گھنٹہ میں آ جاؤں گا اور آپ سب کو مسجد نبوی لے جاؤں گا۔ ہم جلد ہی تیار ہو کر بے قراری کے ساتھ عبد الرزاق صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ دل روضۂ مبارک پر حاضری کے لیے بے قرار تھا۔ عمر بھر کی تمناؤں، دعاؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کا وقت اب قریب تر تھا۔ مدینہ منوّرہ مکہ معظّمہ کی نسبت کہیں زیادہ شاداب اور زرخیز ہے۔ موسم بھی مکہ کی نسبت زیادہ خوشگوار ہے اور رات کو چادر یا کمبل کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

عبد الرزاق صاحب تشریف لائے اور ہمارا قافلہ مسجد نبوی پہنچا۔ نماز عصر ہو چکی تھی۔ چونکہ ہماری تعداد کافی تھی اس لیے میں نے نماز عصر پڑھائی جس میں اَور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ فالحمدللہ۔ مسجد نبوی کی حال ہی میں توسیع ہوئی ہے اور اس کی ظاہری شان وشوکت دیدہ زیب ہے۔

مسجد نبوی کو دیکھنے کے بعد ہم سب احباب ومستورات روضۂ اطہر پر حاضری دینے کے لیے چل پڑے۔ اس وقت کی کیفیت کا اظہار الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ قریب پہنچے تو لوگوں کا اژدہام تھا۔ روضۂ مبارک کے سامنے پہنچ کر ہم نے لمبی دعائیں کیں۔ وقت کا احساس جاتا رہا اور غالباً ہم قریباً ایک گھنٹہ کھڑے ہو کر اپنے آقا ومولیٰ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہے۔

مدینہ منورہ قیام کے دوران میں پانچوں نمازیں اور تہجد مسجد نبوی میں پڑھنے کی توفیق ملتی رہی۔ فالحمدللہ۔ روضۂ اطہر پر متعدد بار حاضری دی، دعائیں کیں اور درود وسلام پیش کیے۔ اگلے چند دن ہم نے دیگر زیارات میں گذارے جن میں میدان احد، مسجد قبا، مسجد قبلتین اور خندق کے مقام کی مساجد شامل ہیں۔

یہاں ایک ایمان افروز واقعہ بھی درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو میرے بچوں کے لیے ازدیادِ ایمان کا باعث ہونا چاہیے۔ نیز اس سے انہیں یہ سبق ملنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف دعاؤں کو سنتا ہے بلکہ انہیں قبول بھی کرتا ہے اور اس طرح اپنے بندوں سے تعلق قائم کر کے اپنی ہستی کا زندہ ثبوت مہیا کرتا ہے۔

عمرہ پر روانہ ہونے سے قبل مجھے ایک تکلیف دہ بیماری کا سامنا تھا۔ 1978ء کے آخر میں مجھے شدید depression اور acute anxiety کا دورہ پڑا پھر آہستہ آہستہ ان attacks کی frequency بڑھنی شروع ہوئی۔ جب گھبراہٹ اور شدید depression کا حملہ ہوتا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کسی پل چین حاصل نہ ہوتا تھا۔ گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا کرتا تھا۔ لیکن یہ خوفناک گھبراہٹ مجھے بار بار لاچار کر دیتی تھی۔ جب یہ بیماری بہت بڑھ گئی تو میں نے ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو انہوں نے Anti Deprecent ادویات دیں لیکن ان سے سوائے اس کے کچھ غنودگی طاری ہو جاتی تھی اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ ہومیوپیتھی اور یونانی ادویات بھی استعمال کیں لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' والی کیفیت ہو گئی تھی۔ اس بیماری نے مجھے اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ میں اکیلے باہر جانے یا سفر پر جانے سے گھبراتا تھا۔ بند کمروں سے شدید گھٹن محسوس کرتا تھا۔ حملہ شام کو ہوتا اور تمام رات جاگ کر یا باہر سڑک پر نکل کر ٹہلنے میں گذرتی تھی۔ میری بیوی بھی میری اس بیماری کی وجہ سے سارا وقت میری نگہداشت میں گذارتی تھی۔

جس سال مَیں عمرہ پر جا رہا تھا میں نے دل میں یہ عہد کیا کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی اور بعد میں طواف وسعی کے دوران میری دعاؤں کا مرکز اس بیماری سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ جب ہم مکہ معظّمہ پہنچے تو میں نے اپنی بیوی سے بھی درخواست کی کہ میرے لیے خاص دعا کرنا کہ میں اب اس بیماری سے بہت تنگ آ چکا ہوں اور لاچار ہوں۔ میں نے خود بھی بڑے تضرّع اور رقت کے ساتھ طواف وسعی کے دوران اور پھر مسجد نبوی میں اور روضۂ اطہر پر حاضری کے دوران میں اس مرض سے نجات کے لیے خصوصی دعائیں کیں۔ عمرہ سے فراغت کے بعد ہم پاکستان چلے گئے اور وہاں سے چند روز کے بعد قادیان بھی حاضری دی۔ وہاں بیت الدعا میں ایک رات پھر مجھے بڑے درد کے ساتھ دعاؤں کی توفیق ملی۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کروں کہ میرے پاس اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں کہ اگلے دن میں نے قادیان میں خواب دیکھا کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ تمہاری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا فرمایا ہے۔ اب تمہیں کبھی گھبراہٹ کا حملہ نہ ہوگا۔ میں نے سلیمہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دن کے بعد سے مجھے کبھی گھبراہٹ یا ڈپریشن کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

سلیمہ اس بات کی گواہ ہے کہ میرے دل کے بائی پاس اپریشن سے پہلی رات کو ہسپتال میں مجھے نرس نے ایک گولی کھانے کے لیے دی۔ میں نے اس سے پوچھا یہ گولی کس لیے ہے؟ اس نے بتایا کہ اپریشن کی رات سب کو بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے اور یہ گولی گھبراہٹ دور کرتی ہے، اس سے تمہیں نیند بھی آ جائے گی۔ میں نے اسے کہا مجھے ہرگز کوئی گھبراہٹ نہیں ہے اور میں نے وہ گولی نہیں کھائی اور آرام کی نیند سو گیا۔ اپریشن سے کچھ دیر قبل جب مجھے سٹریچر پر لٹایا ہوا تھا اور میں نرس سے باتیں کر رہا تھا تو اس نرس نے مجھ سے کہا کہ لوگ تو ایسے وقت میں بہت گھبراہٹ کا شکار ہوتے ہیں لیکن تمہیں تو کوئی گھبراہٹ نہیں ہے۔ اس وقت برادرم کرنل نذیر احمد صاحب بھی میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑ کر سہلایا اور تسلی دی۔ مجھے تو اب یاد نہیں کیونکہ مجھ پر بیہوشی کا کچھ دَور شروع ہو چکا تھا لیکن بعد میں برادرم نذیر احمد نے مجھے بتایا کہ تم نے اس وقت حضرت مصلح موعودؓ کا یہ شعر پڑھا تھا:

ہو فضل تیرا یا ربّ یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

میں اپنے بچوں کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ کبھی بھی دعاؤں سے غفلت نہ برتنا۔ دعا میں بڑی قوت ہے۔ دعا دلوں کی سکینت اور اطمینان کا باعث ہے۔ اس کے ذریعہ بڑی سے بڑی مشکل بھی حل ہو جاتی ہے۔ رات ہو یا دن ہو، دعا کرنے میں بڑی برکت ہے۔ ضروری نہیں کہ اونچی آواز میں یا زبان ہلا کر ہی دعا کی جائے بلکہ دل کو اس طرح بنانا چاہیے کہ وہ ہر وقت ہی دعا میں لگا رہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''دست درکار و دل بایار''۔ یعنی انسان اپنے کام کاج میں لگا رہے لیکن دل کو اپنے یار یعنی اپنے اللہ کی یاد سے معمور رکھے۔ حضرت چودھری سر محمد ظفراللہ خان صاحبؓ نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ جب پہلا Astronaut خلا میں گیا تو مَیں سارا دن اُس کی بسلامت واپسی کے لیے دعاؤں میں لگا رہا۔ یعنی اگرچہ زبان سے تو ہر وقت دعائیں نہیں کر رہا تھا لیکن دل ہمہ وقت اس کی بخیریت واپسی کے لیے دعاؤں سے معمور تھا۔ اللہ کرے کہ ہمارے دل ودماغ بھی ہمیشہ دعاؤں سے مالامال رہیں۔ آمین